ہیں محوِ خوابِ شبِ دو جہاں مدینے میں
مجموعۂ خطوط
حضرت الحاج مولانا عبدالستار صاحب رضا الاعظمی
مکتوب الیہ محمود عالم بلیاوی
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

نسیم حجاز
ہیں محوِ خواب شہِ دو جہاں مدینے میں
مجموعۂ خطوط
حضرت الحاج مولانا عبدالستار صاحب الاعظمی
مکتوب الیہ
محمود عالم بلیاوی
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

نام کتاب ● نسیم حجاز
مجموعۂ خطوط ● مولانا عبدالستار صاحب اعظمی مدظلہ العالی جامعہ حسینیہ جونپور
مکتوب الیہ ● قاری محمود عالم بلیاوی جامعہ حسینیہ جونپور
کمپوزنگ ● (احتشام اعظمی) حسینیہ کمپیوٹر سینٹر، جامعہ حسینیہ جونپور
تعداد ● ۵۰۰ ۵۰۰
صفحات ● ایک سو بارہ (۱۱۲)
سن طباعت ● (پہلا ایڈیشن) ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء
ناشر ● دار القلم جامعہ حسینیہ جونپور (محمود عالم بلیاوی)
قیمت ● عام =/35 روپے
خصوصی =/50 روپے

قاری محمود عالم بلیاوی، جامعہ حسینیہ جونپور

توحید بک ڈپو، پھولپور، اعظم گڑھ

فہرست عنوانات

عرض مؤلف

خطوط نگاری ایک ایسا فن لطیف ہے جو تہذیب انسانی کے ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کرتا ہے دنیا کی ہر زبان میں اس فن مکتوب نگاری کو اہم مقام حاصل ہے۔ مثل مشہور ہے "المکتوبُ نِصفُ المُلاقَاتْ" یعنی خط آدھی ملاقات ہے۔ واقعتہً اس سے پوری ملاقات کا تو نہیں، مگر آدھی ملاقات کا لطف ضرور ملتا ہے۔ مگر یہ فن بڑا نازک ہے یہ کاری گری بھی ہے اور شیشہ سازی بھی۔ یہ مختصر اور محدود بھی ہے اور وسیع و بیکراں بھی یہ بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق دفتر ہے اور معرفت ربانی و معرفت انسانی کا حسین سنگم بھی۔ لکھنے والے کے لئے تو محض عرض سخن ہے مگر پڑھنے والے کے لئے گلدستۂ نرگس و نسترن۔ بقول شاعر

نامہ ہمارا پڑھنا ذرا دیکھ بھال کے
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

خط درحقیقت دو بے تکلف دوستوں کی گفتگو ہے جس میں کھلے دل سے اظہار خیال کیا جاتا ہے لہٰذا خطوط کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی بے ریائی، خلوص اور اپنائیت ہے یہ ایک ایسا فن ہے جس میں کمال حاصل کرنے کے لئے خاص ذہن۔ تیزئ ادراک کی ضرورت ہے۔ بقول غالب" مراسلے کو مکالمہ بنانا ہزاروں کوس سے بزبان قلم باتیں کرنا اور ہجر میں وصال کے مزے لوٹنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

تاریخ اردو ادب میں ایسے ارباب کمال و اہل قلم ہیں جن کے مکاتیب، ادب عالیہ میں جگہ پا چکے ہیں جنھوں نے اپنے تحریروں کے حسن

لطافت ایجاز بیانی، اختصار پسندی اور اظہار صداقت سے خطوط نگاری کو بام عروج پر پہونچا دیا ہے۔ دنیائے علم وادب میں کچھ ایسے بھی گمنام صاحب قلم، انشاء پرداز ہیں جن کے حسن بیان وتحریر کی حلاوت قریب کے لوگوں کو ہی میسر ہوتی رہی ہے۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ آپ بھی دور رہتے ہوئے اس کی لذت سے لطف اٹھائیں۔

دور دستاں را بہ نعمت یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر می افگند

میری مراد مربی ومشفقی محب مکرم حضرت مولانا الحاج عبد الستار صاحب مد ظلہ العالی صدر المدرسین جامعہ حسینیہ، لال دروازہ، جونپور کے یہ گرانقدر خطوط ہیں جو حرمین شریفین کی مقدس سرزمین سے احقر (محمود عالم بلیاوی) کے نام لکھے گئے۔ میں اس گنجینۂ علم ومعرفت کو قارئین کرام کی نذر کرنے میں اپنے لئے سعادت اور دلی مسرت وشادمانی محسوس کرتا ہوں۔

اس رسالہ کے شائع ہونے میں کچھ اہم مجبوریوں کی بنا پر قدرے تاخیر ہوئی جس پر ہمیں شرمندگی ہے۔

اخیر میں ان احباب کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اس کو شائع کرنے میں ہمارا ہر طرح سے تعاون فرمایا جن میں قابل ذکر اسماء، جناب مولوی حافظ محمد ارشاد صاحب ومولوی وحافظ محمد ہاشم صاحب ومولوی وحافظ محمد خالد صاحب اساتذۂ جامعہ حسینیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔ نیز اللہ رب العزت اس باکورۂ علم وادب کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ناشر کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنائے۔

آمین یارب العالمین۔

محمود عالم محمود بلیاوی

تقریظ

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب دامت برکاتہم
صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ

اردو زبان میں حج وعمرے کے سفرنامے بہت ہیں ''سفرحجاز'' مولانا عبدالماجد دریابادی کے سفرحج کی روداد ''شب جائے کہ من بودم'' شورش کاشمیری کے عمرے کی داستان ''کاروان حجاز'' ماہر القادری کے حج کا سفر نامہ ''یہاں سے کعبہ کعبہ سے مدینہ'' کلیم عاجز کا عاشقانہ سفرحج یہ سب سفر نامے اپنا اپنا ایک منفرد رنگ رکھتے ہیں۔ پڑھنے والا اس دیار کی عظمت و محبت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔

اس خاکسار، تمہید نگار اعجاز احمد کو بھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے سفرسعادت کی توفیق بخشی، تو اس نے بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہا۔ اور چند ٹوٹی پھوٹی سطروں میں ''بطواف کعبہ رفتم ....'' کے عنوان سے داستان سفر سنادی۔

پچھلے سال میرے بزرگ دوست حضرت مولانا عبد الستار صاحب معروفی مدظلہ، جو جامعہ حسینیہ جونپور میں صدر المدرسین ہیں اور سابق ضلع اعظم گڈھ اور موجودہ ضلع مئو کی مشہور مردم خیز آبادی پورہ معروف کے رہنے والے ہیں، بہترین عالم، عمدہ ترین مدرس، کامیاب متکلم، حج کو تشریف لے گئے، مولانا مدرس تو ہیں، لیکن خطیب ومقرر نہیں

ہیں۔ حج کو تشریف لے گئے صاحب دل ہونا تو معلوم تھا۔ صاحب قلم ہونا معلوم نہ تھا مجھے کوئی تصور نہیں تھا کہ، مولانا سفر حج کاغذ پر بھی منتقل ہوگا۔

ابھی کچھ دنوں پہلے اچانک مجھے اطلاع ملی، اور اطلاع کے معاً بعد ہی کتابت شدہ پروف ملے کہ مولانا نے اپنے سفر کی روداد لکھی ہے۔ اور اس کا اسلوب وانداز دوسرے سفرناموں سے الگ ہے، پھر میں اسے پڑھنے لگا، پڑھتا گیا، اور دل میں سفر حج کی حلاوت ولذت تو محسوس کرتا ہی رہا، ساتھ ساتھ بہترین اہل قلم اور ادیب ہونے پر حیرت ہوتی رہی۔

یہ سفرنامہ مکاتیب کا مجموعہ ہے، میرے اور ان کے مشترک محب و عزیز جناب محمود عالم بلیاوی استاذ جامعہ حسینیہ جونپور نے انھیں ایک لیٹر پیڈ یہ کہہ کے دے دیا تھا کہ اس پر آپ اپنے سفر کے حالات تحریر فرماتے رہیں گے، مولانا نے انھیں کو مخاطب بنایا، اور گاہے گاہے فرصت نکال کر انھیں سفر کی داستان سناتے رہے، یہ خطوط سادگی و پرکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ ادیبانہ طرز کے خطوط، موقع ومحل سے عمدہ اشعار کا برجستہ استعمال، بڑا دلآویز مرقع ہے ان خطوط سے ظاہر ہوا کہ مولانا فطری ادیب ہیں۔

قاری محمود عالم صاحب کا احسان ہے کہ انھوں نے ان خطوط کو، جو نجی طور پر ان کے نام لکھے گئے تھے، شائع کر کے وقف عام کر دیا۔ یہ روداد سفر مختصر سہی، مگر سفرناموں کے ہجوم میں اپنی انفرادی شناخت رکھتا ہے۔ اہل ذوق کے لئے بڑا روح پرور اور ایمان افروز تحفہ ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

رشحاتِ قلم

حضرت مولانا الحاج توفیق احمد صاحب مدظلہ العالی
ناظم جامعہ حسینیہ، جونپور

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ۔۔۔ تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

حجاز مقدس در حقیقت وہ سرزمین ہے جہاں قدم پڑتے ہی انسان کے ذہن وفکر میں ایک عجیب وغریب انقلاب پیدا ہو جاتا ہے، طبیعت وجد میں آجاتی ہے اور زبان بے ساختہ کہہ اٹھتی ہے۔

کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر کیا چیز ہے دنیا بھول گیا

احساس کے محور اور نگاہ کے مرکز میں تبدیلی آجاتی ہے۔ زائر حرم اپنے دل میں وہ کیفیات محسوس کرتا ہے جن کو عقل نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا دنیا وما فیہا سے بے خبر اس کے تمام تصورات کا مرکز وہ ذاتِ خداوندی ہوتی ہے جو تمام خوبیوں کی جامع اور جملہ کمالات کا سرچشمہ ہے۔

عشق ومحبت کے واردات کو زبان وقلم کے حوالہ کرنا صوفیاء کی اصطلاح میں غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔

قلم را آں زباں نبود کہ سرِ عشق گوید باز ۔۔۔ بروں از حد تحریر است شرح آرزومندی

مگر بعض کہنہ مشق صاحب تمکین افراد اپنے قلبی تاثرات اور دلی کیفیات کو الفاظ کا لباس پہنا کر احباب کو بطور تحفہ عنایت فرماتے ہیں جو یقیناً تمام تحفوں سے زیادہ قابل قدر اور جملہ سوغات سے زیادہ قابل رشک ہے۔

ان ہی خوش نصیب لوگوں میں ہمارے جامعہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا عبد الستار صاحب اعظمی دامت برکاتہم ہیں جن کو خزانۂ قدرت

سے علمی و تحقیقی ذہن کے ساتھ ساتھ شگفتہ وشائستہ تحریری ذوق وافر مقدار میں حاصل ہے۔ آنجناب سال گذشتہ اذانِ خلیلی پر لبیک کہتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور واپسی پر حضرت والا اپنے عقیدت مندوں کے لئے ایک گرانقدر تحفہ ساتھ لائے جو درحقیقت مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے دوران دل پر گزرنے والے احوال و کیفیات کا مختصر خاکہ ہے۔

یہ سفرنامہ اپنی جدت وسلاست، برجستگی اور طرز تحریر کے لحاظ سے ایک منفرد سفرنامہ ہے۔ سفرحجاز کے واقعات وحکایات اور عشق ومحبت کے حیات آفریں نکات کو نہایت آسان، رواں اور خوبصورت زبان میں بیان کر کے "نسیم حجاز" کو واقعتہً دلآویز خوش تاثیر اور حیرت انگیز بنا دیا گیا ہے اور جا بجا برمحل اشعار نے تو تحریر میں وہ جاذبیت ومعنویت اور حلاوت وملاحت پیدا کر دی ہے کہ قاری کتاب شروع کر دینے کے بعد۔ پوری کئے بغیر ہاتھ سے نہیں رکھ سکتا۔

وصل ہے اور دل پہ اب تک ضبطِ غم پوشیدہ ہے
بلبلہ ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

کتاب ختم ہوگئی مگر طبیعت پھر بھی سیراب نہیں ہوئی بلکہ بار بار اور کئی بار پڑھنے کی تمنا بڑھ جاتی ہے پیاس بجھتی نہیں بجھانے سے

اللہ تعالیٰ اس مکتوب کو ہر خاص وعام کے لئے نافع اور مشعلِ راہ بنائے نیز عقیدت مندوں کو اس تحریر کے صدقے سفرِ حج کی سعادت سے سرفراز فرمائے کیوں کہ ایک سچے پکے مومن کی دلی تمنا و آرزو یہی ہوتی ہے کہ

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

توفیق احمد قاسمی ناظم جامعہ حسینیہ، جونپور

تاثرات

جناب ڈاکٹر عبد السلام صاحب ندوی دامت برکاتہم

سرپرست جامعہ مومنہ للبنات جونپور

شام کا وقت ہے، مریضوں کے جھرمٹ میں ہوں کہ اچانک ایک مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا پہلے ایسا محسوس ہوا جیسے بادلوں کے بیچ چاند نمودار ہوا۔ پھر حقیقت واضح ہوئی کہ وہ جامعہ حسینیہ و اطراف کی ممتاز شخصیت قاری محمود عالم بلیاوی ہیں۔ علیک سلیک کے بعد کیفیت پوچھی۔ عافیت بتایا۔ کام پوچھا ایک غیر مطبوعہ کتاب دی جسے حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ العالی نے اپنے سفر حج میں قاری محمود صاحب موصوف کے نام بطور خط لکھا ہے مقصد پوچھا جواب میں تبصرہ کی فرمائش کی۔ بہر کیف کتاب کا نام پڑھا۔ "نسیم حجاز" کتاب کا نام بہت پیارا لگا۔ قلب کو فرحت ملی ذہن میں انبساط ہوا گویا۔

نسیم جس کو مل گئی حیات اس کی بن گئی

نسیم حجاز جس نے پالیا آخرت اس کی سنور گئی۔ دنیا تو آنکھ سے دیکھا جنت کو خواب میں دیکھا۔

آیئے کتاب کو پڑھا جائے۔ مقصد اس کا سمجھا جائے کہ نسیم حجاز سے کیا مراد ہے۔ کتاب پڑھی۔ کتاب نے نئی زندگی بخشی۔

اس سفر حج سے پہلے حضرت مولانا کو ایک حسرت رہا کرتی تھی ایک ارمان رات دن پریشان کیا کرتا تھا کہ عمر ساٹھ (۶۰) سال تک پہونچی اور زیارت حرمین وشریفین سے اب تک محرومی رہی۔

دل میں حسرت ہے اک زمانے سے

وہ بلالیں کسی بہانے سے

دوسری طرف ارکان حج کی کماحقہ ادائیگی کس طرح ہوگی۔ جب کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی ہے وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا۔ خدایا ہم کو ارکان حج بتا دیجئے بلکہ دکھا دیجئے چنانچہ اچھے اچھے لوگ حج کے ارکان بھول جاتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ سفر حج شروع ہوتے ہی ساری فکر ختم ہونے لگی، حالات بدلنے لگے۔ سرزمین حجاز پہ قدم رکھتے ہی رحمتوں کی بارش ہونے لگی، انوار حرم رونما ہوتے ہی حالات منکشف ہونے لگے۔ وہاں کے معمولات کی ادائیگی کے بعد فرصت نکال کر سفری ڈائری لکھنے لگے اسی لئے تو یہ کتاب ''نسیم حجاز'' اپنی الگ ایک مثال رکھتی ہے۔ نہ بناوٹ، نہ سجاوٹ، حضرت موصوف کی تحریر میں کہیں تو ادب کا ایسا رچا ہوا ذوق ملتا ہے۔ جس میں حکمت کے ساتھ شعریت کی آب وتاب جلوہ گر رہتی ہے کہیں پر ایسے سادہ اور عام فہم جملے ملتے ہیں جو پڑھتے ہی ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے قلم کی تحریر نہیں بلکہ دل کی آواز ہے جو دل سے ٹکرا رہی ہے اور اپنے آپ گھر بنا رہی ہے۔ اور کہیں پہ ایسے جملے بھی ہیں جو اشارہ و کنایہ سے بھرپور جس پر فصاحت و بلاغت رشک کرتی ہے۔ تحریر دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف مفسر اور فلسفی ہی نہیں بلکہ مفکر و مصنف اور کہنہ مشق ادیب بھی ہیں نیز شاعری کا ذوق لطیف بھی رکھتے ہیں۔ ظرافت کے چٹخاروں سے بھی ان کے قلم کو آشنائی ہے۔

خالی الذہن ہو کر تصور کرتا ہوں کہ یہ دل کی آواز ہے جو سادے کاغذ پر ثبت کر دی گئی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے\
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

حلاوت کیساتھ ملاحت بھی جسکے خمیر میں ہے۔ پڑھتے جایئے لطف اندوز ہوتے جایئے نہ دل گھبراتا ہے نہ دماغ تھکتا ہے بلکہ طبعی طور پر شعور و وجدان کو ایک سریع الہضم غذا ملتی ہے۔ جس سے دینی اور علمی ذوق رکھنے والوں کے اندر صالح خون پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ

ڈاکٹر عبد السلام ندوی
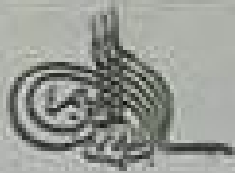
شنبہ یکم ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۲۴/ فروری ۲۰۰۱ء

صدیق محترم وحبیب جناب قاری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے جونپور سے روانگی کے وقت یہ لیٹر پیڈ بڑی محبت و عقیدت اور میری تحریر سے حسن ظن کی بنا پر پیش کیا تھا، مگر میں راستہ میں کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کا ارادہ بھی بیچ بیچ نہ تھا۔ یہاں کچھ کرنے آیا ہوں، پڑھنے آیا ہوں، بلکہ رونے دھونے آیا ہوں، اگر اس سفر میں بھی میں اسی طرح مزاحیہ لکھتا رہا جیسے ماضی میں طلبۂ کرام کے لئے مکالمہ لوگوں کو اپنی طرف لبھانے کے لئے، یا پیارے بچوں کی محبت میں، نیز ان کی علمی دلچسپی اور ادبی ذوق کی تسکین کے لئے لکھتا رہا ہوں تو یہ تضیع اوقات بلکہ باعث حسرت وندامت اور موجب حزن وملال ہوگا۔ اسی لیت ولعل میں دوروز گزر گئے۔ کیا لکھوں؟ کیوں لکھوں؟ کس کو فرصت ملے گی پڑھنے کی؟ کل تک یہی سوچتا رہا۔ حسن اتفاق کہ کل شام بعد نماز عصر اپنی قیام گاہ شعب عامر سے نکل کر حرم شریف سے گزرتے ہوئے حاجی محمد احمد حافظ زکریا عطر والے کی دکان تلاش کرتے کرتے تھک ہار کر واپس ہوا۔ اداس چہرہ لئے، منہ لٹکائے۔ اپنے ساتھی محترم امان اللہ صاحب

سے میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی بھی نہیں ملتا، کچھ بھی نہیں ملتا، کسی طرح کی نشانی نہیں ملتی، کوئی صورت آشنا دور دور تک نظر نہیں آتا۔ یکایک ایک عربی النسل ڈیل ڈول والے، طول طویل قامت والے، بجیم وشحیم، قدآور جوان بلکہ نوجوان، عربی رومال جسے یہاں رومال احمر بلکہ ہلال احمر کہتے ہیں لگائے ہوئے نظر آئے۔ شکلاً متعارف معلوم ہوئے۔ دور ہی سے نظر آئے، میں دوڑ کر آگے بڑھا کہ ان سے ملوں، مگر اژدحام اس قدر یہاں رہتا ہے کہ شمع کے گرد پروانوں کا کیا ہوگا۔ بہر کیف! بدقتِ تمام ان سے ملا۔ سلام کیا، ہاتھ ملایا۔ میری آواز پھر میری تصویر بعدہٗ میری حالتِ زار دیکھ کر متعجب ہوئے، اسی لمحہ گلے سے لگایا، معانقہ کیا، اور انتہائی لجاجت و انکساری سے کہا، "دادا خیریت ہے"؟ میری زبان سے کوشش کے باوجود کچھ نہ نکل سکا۔ چند قطرے آنسوؤں کے ٹپکے، معاً ہوش آیا کہ کیوں کسی بندے کے سامنے روؤں؟ "یہ میرے کرم فرما مولوی ومفتی شوکت علی صاحب (بمبئی) حسینی ثم قاسمی ہیں" یہ جملے میں نے اپنے حج کے ساتھی بھائی امان اللہ صاحب جونپوری سے عرض کیے۔ بھائی شوکت نے ان سے کہا کہ "یہ میرے استاذ، بلکہ میری زندگی کے بنانے والے مربی اور سرپرست ہیں۔" بیچارے نے عقیدت والہانہ میں کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ "من آنم کہ من دانم"

کام کسی کے کچھ بھی نہ آئے بلکہ اذیت کوش آئے
پیدا ہوئے تو بارِ شکم تھے مر کے وبالِ دوش ہوئے

عزیزم کے ملنے کے بعد جان میں جان آئی، اور پھر قلم میں بھی

جان آئی۔ ورنہ یہ قلم بھی استن حنانہ کی طرح بے جان تھا۔ کچھ لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور اب دو روز پہلے کی داستان شروع کرتا ہوں۔

جونپور سے میری روانگی شرم جیوی ایکسپریس سے ہوئی، جو صرف دو تین گھنٹے تاخیر سے آئی تھی۔ وہ شرم جیوی ہر اسٹیشن پر اپنی تاخیر سے شرماتی ہوئی پیچھے ہی رہتی رہی۔ ہر گاڑی نکل جاتی، گزر جاتی۔ الغرض اس کا حجاب اور گھونگھٹ دلی تک بدستور رہا۔ اور لوگوں کا گمان غلط ثابت ہوا کہ "آگے گور کرے گی" تمام رات یہی آواز کانوں میں آتی رہی، تسلی ملتی رہی۔ مگر یہ کور چشم گور کیا کرے گی؟ نو بجے نئی دہلی پہنچی۔ شکریہ! ویلکم! (Well Come) دھنیہ واد! شبھ کامنائیں! ابر بورڈ سے ملتی رہیں۔

ع شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

خلاصہ یہ کہ دس بجے دفتر جمعیۃ علمائے ہند پہنچے۔ غسل کے بعد آرام کیا، ناشتہ کیا، اور جو ضرورت تھی پوری ہوئی، بلکہ اپنے گھر کی طرح دوست احباب ملے۔ حج ہاؤس جانے کی ضرورت نہیں، یہیں سے سارا کام ہو جائے گا۔ جو لوگ حاجیوں کی مخصوص قیام گاہ (بچوں کا گھر) دیکھے ہیں وہ بتارہے ہیں کہ وہاں اتنا رش (Rush) ہے کہ الامان الحفیظ۔! اسّی سال کے بچے بھی اور جوان سال حاجی بھی۔ عورت مرد یکجا، نہ پردہ نہ کوئی حجاب، میرے جملوں کی طرح بے ترتیب۔ سامان بکھرے ہوئے۔ کوئی پکار رہی ہے کوئی شور مچارہی ہے، کوئی کسی سے لڑ رہا ہے اور کوئی تلبیہ میں مشغول ہے۔ کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی لایعنی غیر ضروری باتوں میں وقت کاٹ رہا

ہے۔ بھائی مولوی حکیم الدین صاحب نے میری ساری قانونی کاروائی تکمل کرادی، اور ٹکٹ بھی حاصل کر لئے، اور دو روز پہلے فلائٹ (Flight) میں مجھ کو بٹھادیا۔ دوست احباب اور میرے لخت جگر عزیزم مولوی عمران احمد سلمہٗ لپٹ کر روئے، اور خوب روئے۔ ایر پورٹ (AirPort) کے عملہ ہر روز بلکہ ہر لمحہ یہ منظر دیکھتے ہیں۔ انہیں رونے دھونے والوں سے کیا ہمدردی؟ قصائی کو بکرے سے ہمدردی چہ معنی دارد؟ اعلان ہو رہا ہے............جلدی کرو! جلدی کرو! وقت قریب ہے، وقت ہو گیا۔ میں سکتے کے عالم میں کھڑا ہوں، کیا کروں؟ لوگوں سے ہاتھ ملایا۔

ع وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا

اپنا سامان آپ اٹھایئے۔ زیادہ ہو یا کم، آپ جھیلئے۔ "دستِ خود دہانِ خود" کے بجائے "پشتِ خود و بارِ خود" قافیہ منظور ہو تو پشت خود سامان خود کہیے۔

الغرض مخدوم خادم بن گیا۔ اپنی سابقہ زندگی پہ رونا آیا تم نے پوچھا نہ کیا۔ کبھی اپنے ہاتھوں کھانا نکال کر نہیں کھایا۔ اپنا بستر خود کبھی نہیں بچھایا۔ افسوس! تم پر اور تمہاری نوابی پر۔ میں کیا کرتا؟ جہاں رہا طلبہ کے جمگھٹ میں رہا۔ سیکڑوں طلبہ ہمہ وقت خدمت کے لئے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ رات دن کا کوئی لمحہ ان وفاداروں سے الگ نہیں گزرا "و ذلك فضل الله يو تيه من يشاء"

قصہ مختصر سامان بس میں رکھا گیا اور ہم کو اس سے بے بس کر دیا۔ ایک چھوٹا سا بیگ ساتھ رہا۔ ایر پورٹ، (Air Port) فلائٹ امیگریشن

(Flight Emigra tion) جیسے انگریزی الفاظ کبھی نے تھے دیکھے نہیں تھے۔ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" بہت پہلے سے سن رکھا تھا کہ ہوائی جہاز میں کمسن لڑکیاں خدمت کے لئے، یا جی بہلانے کے لئے، بلکہ ایمان بگاڑنے کے لئے ہر قسم کی، ہر نقشے کی مسافروں کے ذوق کے مطابق رکھی جاتی ہیں۔ مگر یہ جہاز تو خاص حاجیوں کا ہے، حج کمیٹی نے اسے کرایہ پر کسپو چیا سے حاصل کیا ہے۔"

شیخ کی دعوت میں سے کا کام کیا؟

کیا اس سفرِ حج کو حجِ مبرور کے بجائے سفرِ نشاط و سرور بنائیںگے؟ یا سراپا فتن و شرور؟ معاً آیت فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یاد آئی۔ اور ذہن کی پرواز ان تینوں کلموں کی باریکی تلاش کرنے لگی۔ "رفث" تو ایر ہوسٹس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور "فسوق" ہوائی قانون سے اور "جدال" ہمارے اس خلائی ساتھی سے جو میرے برابر والی سیٹ پر براجمان ہیں۔ میں جن کو اپنے تصور میں ریش تراشیدہ، نیم مرد سمجھ رہا تھا۔ افسوس! وہ حوا کی بیٹی نکلی جو خوب زور زور سے "لبیک اللھم لبیک" یاد کرتی رہی۔ جب بھول جاتی مجھ سے پوچھتی، میرے نہ بتانے پر دھکے دیتی۔ میں کیا سوچتا؟ میرے دماغ کی پرواز کہاں تھی، خدا کا شکر ہے کہ مجھے کوئی مولوی نہیں سمجھ رہا تھا، ورنہ تو ہر طرف سے کھینچا تانی ہوتی۔ پانچ گھنٹے کے دوران ایک دفعہ استنجاء کیلئے پیچھے جانا ہوا، دیکھا کہ اس میں مرد سے زیادہ عورتیں ہیں اور سب احرام کی حالت میں بے پردہ، کچھ سوچ کر واپس آیا اور اپنی ضرورت کو

دبالیا، دوبارہ حاجت محسوس ہوئی گیا، ایر ہوسٹس (Air Hostess) سے کہا، اس نے کاغذ عنایت فرماتے ہوئے مسکرا کر میری طرف دیکھا، میں نے کہا "جب پانی استعمال نہیں کرنا تب رہنے دو"۔ چند منٹ میں جدہ آجائے گا وہیں اپنی ضرورت پوری کرینگے۔ جمعہ تو گیا، ظہر پڑھ لیں گے، مسافر کیلئے شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے۔ جدہ ایرپورٹ پر اتر کر سب سے پہلے استنجاء کرینگے۔ کیا کریں؟ طبعی ضرورت ہے ورنہ ان مقامات مقدسہ پر سب سے پہلے یہی عمل کچھ اچھا نہ لگا۔ اترتے ہی استنجاء خانہ تلاش کیا، کہیں نہ ملا، نفسی نفسی کا عالم تھا۔ شور و ہنگامہ، زبانیں مختلف، رنگ و روپ الگ الگ۔ ہر منٹ دو منٹ پر اک شور برپا ہے، کوئی جہاز اتر رہا ہے ٹھنڈک بھی خلاف معمول۔ ہم دونوں پروانے اپنی اپنی چادروں میں ملبوس ٹھٹھرے بیٹھے رہے۔ لائن میں نمبر آیا مگر پانچ گھنٹے گزر چکے تھے۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں ایرپورٹ پر ادا ہوئیں، بعد عشاء بس میں سوار ہو کر بارہ بجے یہاں مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ نیند کے متوالے ام القریٰ کی گود میں آتے ہی سو گئے۔ جمعہ ۲۳ رفروری ۲۰۰۱ء مطابق ۲۸ ر ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ کی داستان مکمل ہوئی۔

اگلی داستان ایک دن کے وقفہ سے یعنی شنبہ یکم ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۲۴ ر فروری ۲۰۰۱ء سے شروع ہوگی۔ صبح سویرے احرام کے ساتھ ناشتہ کیا، جو ناشتہ یہاں بس میں ملا تھا۔ ماشاء اللہ مرغ کی بریانی تھی، خوب جم کے ناشتہ ہوا۔ ہوائی جہاز میں بھی مرغ کی بریانی ملی تھی، مگر میں نے احتیاطاً اس

کا استعمال بہتر نہ سمجھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے۔ تمام حاجیوں کیلئے اس سروس میں ذبیحہ کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے۔ میرے اس شبہ کی بنیاد پر کچھ لوگوں نے چھان بین کی۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد حرم شریف پہونچے، ہر طرف انسانوں کا سیلاب نہیں بحر ناپیدا کنار اور سمندر ہے۔ ہر طرف سے لوگ اذان ابراہیم کی آواز پر نکل پڑے ہیں۔ "واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلی کل ضامر" آیت میرے ذہن میں بھی ہے۔

قطرنی لباب کیت العتیق

حوالیہ من کل فج عمیق

کی اصل بنیاد اور مشبہ بہ یہی ہے۔ اس گھر کی نظیر دنیا میں نہیں۔ پروانوں کا ہجوم کہتا ہے کہ سعودی حکومت کہاں تک توسیع کرے گی؟ آنے والوں سے حرم شریف ہمیشہ بھرا بلکہ کھچا کھچ بھرا رہے گا۔ اس کی تنگ دامانی حکومت کے بس کا روگ نہیں۔ پروانوں کے حوصلے دیکھے کوئی۔

شمع پہ جان دی لیکن کبھی اف تک نہ کیا

حوصلہ عشق کا سیکھے کوئی پروانے سے

طواف کی بھیڑ الاماں الحفیظ! چلتے رہے اپنی جان بچاتے ہوئے۔ ساری دنیا کے انسان امڈ پڑے ہیں۔ ان میں اکثر ناخواندہ ہیں مسائل کی معلومات بالکل نہیں۔ سب دعاؤں میں مشغول ہیں، کوئی دعائے قنوت یاد کر رہا ہے، کوئی نماز جنازہ کی دعا پڑھ رہا ہے، چھوٹے بچوں کو سر پر رکھے کچھ لوگ ان

کو بھی طواف کرا رہے ہیں۔ احرام کا اضطباع دیکھ کر عجیب کیفیت طاری
ہوتی ہے۔ پہلے کے تین چکروں میں رمل کی گنجائش کیا ہوتی؟ چلنا دوبھر ہے۔
الحمد للہ سات چکر بخیر و عافیت پورے کئے۔ دو رکعت کنارے واجب
الطواف ادا کر کے سعی میں مشغول ہوئے۔ اس کا منظر بھی عجیب اور نا قابل
تصور تھا۔ ہاں وہاں قدرے سکون و عافیت محسوس ہوئی۔ صفا اور مروہ کی
اونچائیوں سے اترتے ہوئے کسی قدر پریشانی ہوئی۔ ڈھلوان زمین، طاقتور
انسانوں کا ریلا، عورت و مرد کا اژدحام، سب ذکر و تلاوت میں مشغول،
اکثریت محلوق اللحیہ، "قاما صفصفا" مگر دیوانگی اور وارفتگی عبرتناک۔ دل
کے صاف، زبان سے ذاکر۔ اپنی شکل پر شرم آئی کہ ظاہر خوب، باطن
ناخوب۔ بعض پانچ سالہ دس سالہ بچوں کو اضطباع کے ساتھ سعی کرتے دیکھ
کر مسرت ہوئی۔ شیر خوار بچوں کو بھی گود میں لئے عورتیں سعی کرتی ہیں
۔ کیا جنون ہے؟...... مگر حج کے سارے ہی ارکان عقل و ہوش کی گرفت
سے باہر ہیں۔ میلین اخضرین کے درمیان دوڑ کا منظر بھی قابل دید
تھا۔ بوڑھے لوگ جب دوڑتے دیکھ کر ہنسی بھی آتی اور حیرت بھی ہوتی۔
حضرت ہاجرہ کی یاد، بچے کی نظر سے دوری پر اس طرح بے تابانہ دوڑ کر اس
نشیب سے گزرنا، عورتیں بھی مردوں کو دیکھ کر گود میں بچے کو لئے دوڑتی ہیں
۔ میں نے ایک عورت سے کہا بھی کہ "تم کس وجہ سے دوڑ رہی ہو"؟ یہ دوڑ تو
مردوں کے لئے ہے۔ تمہارا اسماعیل تو تمہاری گود میں ہے۔ زبان بیچاری
کیا سمجھتی؟ مسکراتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اور میں یہ شعر گنگنانے لگا۔

الٰہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے
اسے ہے سودائے بخیہ کاری مجھے سرِ پیرہن نہیں ہے

تھوڑی دیر دم لینے کو ایک جگہ بیٹھ گیا تو سمجھ میں آیا کہ اس عورت ہی کی ادا تو خدا کو پسند آئی تھی جس کے اخلاص اور توکل کے صدقے میں یہ عبادت ہمیں نصیب ہوئی ہے۔ اپنی کم عقلی پر ماتم کیا، سر پکڑ کے بیٹھ گیا، اگر وہ عورت ملتی تو اس سے معذرت بھی کرتا، مگر یہاں اپنا قدیم رفیق بھی اگر کھو جائے، تلاش عبث ہے۔ کل میں اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا، وہ بیچارے دو گھنٹے تلاش کر کے قیام گاہ آ گئے، اور میں میلین اخضرین کے درمیان آرام سے بیٹھ کر تلاوت کرتا رہا۔ عصر مغرب دو نمازیں وہیں امام حرم کے پیچھے پڑھ کر واپس قیام گاہ آیا۔ پرسوں بھی مولوی مفتی شوکت علی بمبئی کے ساتھ حرم شریف میں مغرب کی نماز پہلی بار پڑھی۔ سورہ ابراہیم کی تلاوت موقع محل کے اعتبار سے بہت مناسب تو اذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد آمنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ستر ہواں رکوع مکمل دو رکعت میں پڑھا۔ دل کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔

نمی دانی کہ سوزِ قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را

حسنِ اتفاق کہ بھائی شوکت نے ہماری بائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد بتلایا کہ یہ جو اونچی چمکتی ہوئی عمارت چکنی ایسی کہ نگاہ بھی پھسل جائے دیکھ

رہے ہو میں نے کہا کوئی تاج محل ہوٹل یا گلمر گ ہوٹل ہے۔ کہا نہیں! یہ نیچے دکان سپر مارکیٹ، اوپر مسجد عمرؓ اس کے اوپر عالیشان ہوٹل ہے۔ یہی حضرت عمرؓ کا مکان تھا، یہیں سے ننگی تلوار لے کر اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹانے چلے تھے۔ میری پلکیں بھیگ گئیں، جی چاہا خوب جی بھر کے رووں، دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو، مگر یاد آیا۔

آنسوؤں سے کیا بجھے گی دوستو دل کی لگی
اور بھی پانی کے چھینٹوں سے بھڑک جاتی ہے آگ

بھائی شوکت نے کہا چلئے! بہت زبردست ریلا آرہا ہے۔ ابھی پس جائیں گے دادا۔ میں نے بھی یہ شعر پڑھا۔

دل کی لگی پہ اشک بہانے سے فائدہ
شبنم سے بھی کہیں کوئی شعلہ بجھائے ہے؟

شوکت بھائی نے سامنے دکھلایا کہ ادھر دیکھئے! مارکیٹ کے اس کنارے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مکان تھا۔ وہاں بھی ایک عالیشان مسجد بن گئی ہے۔ یہ صدیق اکبرؓ یار غار، محسن سید الابرار، جنھوں نے سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ ڈال دیا۔

پروانے کو چراغ ہے بلبلؔ کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے آخری ایام میں انھیں کے حق میں کہا تھا، کہ ”امت کے ہر فرد بشر کا احسان میں نے بدلہ دے کر چکا دیا، ہاں!

صدیق اکبرؓ کے احسان کا بدلہ میں نہ دے سکا، اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ وہی دے گا"۔ جن کے اخلاص کے بارے میں وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ۔ کا سرٹیفکٹ مل چکا ہے۔ میرے ایک ساتھی کے سوال پر بھائی شوکت نے کہا، فلاں جگہ جو دیکھ رہے ہیں وہاں زمانہ جاہلیت میں بچوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ میری نظروں کے سامنے وہ منظر ابھر آیا، جب ایک چہار سالہ بچی کو اس کی ماں نے چھپا رکھا تھا، مگر معاشرہ میں چرچا ہوا۔ شوہر پردیس سے واپس آیا، معلوم ہوا کہ چار سال کی بچی میرے گھر پل رہی ہے، اسی وقت سنگدل باپ کی نیت بگڑ گئی۔ نہلا دھلا کر، عید کے کپڑے پہنا کر، خوشبو لگا کر، ایک ہاتھ میں پھاوڑا اور دوسرے ہاتھ میں بچی کا ہاتھ، بازار اور میلے کے بہانے، اچھی اچھی کھانے کی چیزیں خریدنے کے وعدہ پر اسے میدان میں لایا۔ گہرا گڈھا کھودا، اس گڑھے سے نکل کر تھوڑی دیر دم لینے لگا پھر بچی کو آخری بار گود میں لیا، بچی نے کہا، ابا! آپ کی داڑھی میں گرد و غبار لگ رہے ہیں میں اسے صاف کردوں، داڑھی کے بال بچی صاف کر رہی ہے، باپ کی آنکھیں اشک بار ہیں۔...... اف! یہ رسم و رواج ...... یہ باپ دادا کا طریقہ کار۔ ماحول اور معاشرہ کا بھوت اس معصوم بچی کیلئے کتنا منحوس اور جان لیوا ہے۔ یہ بچی جو میرے بالوں میں گرد گوارہ نہیں کرتی، میں اسے ابھی منوں مٹی کے نیچے کرکے چل دونگا۔ یہ شعر یاد آگیا۔

دبا کے چل دیے سب قبر میں دعا نہ سلام

ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو

شاید یہ بچی آخری بچی ہے، اس کے بعد ارحم الراحمین کو اس امت مرحومہ پر رحم آیا اور رحمۃ للعٰلمین کی بعثت مکہ میں ہوئی۔ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب و المشرکین منفکین حتیٰ تاتیھم البینۃ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ بعثت نبوی کا ذکر ہو رہا تھا کہ بھائی شوکت نے کہا، چلیے! ابھی آپ کو وہ جگہ دکھلاؤں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، وہاں ایک عالیشان کتب خانہ بن گیا ہے۔ حکومت کی مناسب تعمیر پر یہ شعر برمحل ہے۔

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست

اس یتیم بچے نے پیدا ہو کر نہ صرف یہ کہ رسوم جاہلیت کو مٹایا، بلکہ تمام ادیانِ سابقہ کے کتب خانوں کو صاف کر دیا۔ "و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" کا سرکاری اعلان انہیں کی زبان سے ہوا۔ کتب خانہ اور کعبہ شریف کے درمیان میں بیٹھا ذکر و تلاوت میں مشغول تھا کہ تصورات کی دنیا سے تصدیقات کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں عبدالمطلب نے اپنی بہو آمنہ کو اپنے آگے کر کے اس کے بطن میں موجود بچے کے واسطے سے دعا مانگی تھی، جب اس گھر کی حفاظت کے لئے کوئی ظاہری بندوبست نہیں تھا۔ ابرہہ کے لشکر اور ہاتھیوں کے غول سے کون ٹکر لے سکتا ہے؟ تمام مکہ خالی ہو گیا، مکہ والوں نے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اس گھر کی حفاظت

گھر والا کرے گا۔ میرے اونٹ میرے حوالہ کر دو۔ ارے! تم چھوٹی سی بات کرتے ہو۔ کلام الملوک ملوک الکلام بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے۔ تم کیسے سردار ہو؟ کہ اس عظیم الشان گھر کی حفاظت کی بات نہیں کرتے۔ حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ سے کہا، اونٹ میرے ہیں، میں ان کا مالک ہوں، اس گھر کا میں مالک نہیں، جو مالک ہے وہ تم سے نمٹے گا۔ ابرہہ نے کہا۔ ہائیں! کیا کہا؟ کون آج مجھ سے یا میری فوج سے ہاتھ ملائے گا؟ نظر نہ ملا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا، تم جانو وہ جانے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔۔ بہرکیف! اس بچے کے واسطے سے حضرت آدم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی تو قبول ہوئی۔ آج دادا اپنے پوتے کے واسطے سے دعا کر رہا ہے الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل کی تفسیر پڑھئے اور سر دھنئے۔ حرف بحرف آپ کے دل میں اترتی جائے گی۔ بھائی شوکت نے کہا دادا! کیا سوچ رہے ہیں؟ میں نے کہا، دادا پوتے کی کہانی بنا رہا ہوں۔

دوشنبہ ۳؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۲۶؍فروری ۲۰۰۱ء

﴿بلند تگ شعب عامر، عقب مسجد جفالی، مکۃ المکرمہ، وقت الظہیرۃ﴾

گرامی محترم قاری صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

چونکہ آپ سے وعدہ کر چکا تھا، اس لئے کل سے آج تک کی کہانی سنا رہا ہوں۔ ورنہ یہاں تلاوت وذکر کے علاوہ تضیع اوقات کون کرے؟ الحمد للہ میرے معمولات اب اپنی مرضی، بلکہ شریعت کی مرضی پر آگئے۔ نماز فجر حرم شریف میں اول وقت ادا ہوتی ہے، اس کی شرکت غنیمت شمار کرتا ہوں۔ صبح کا سہانا وقت، فضائے حدود حرم کی بادِ نسیم، امام حرم کی والہانہ قرأت کا سوز و گداز، دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا سمندر کماً و کیفاً بہر نوع، مکمل فرحت وسرور کے ساتھ یہ دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ امام صاحب بھی کیا خوب برمحل سورۂ حج کا چوتھا پانچواں رکوع دو رکعت میں پڑھتے ہیں۔ ایک ایک آیت اپنی اپنی جگہ موزوں اور فٹ ہوتی نظر آتی ہے۔ واذبوأنا لابراھیم مکان البیت ان لاتشرک بی شیئا وطہر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود معنیٰ ومطلب اور تفسیر جاننے والے کے دل کی کیفیت بیان سے باہر

ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں کا شعر ہے

جانت ہیں سو کہت نہیں
کہت سو جانت نا ہیں

یا بقول شیخ سعدیؒ ہے

کسے باز را دیدہ بر دوختہ
کسے دیدہا بال و پر سوختہ

یعنی جو کہتا ہے وہ پہونچا نہیں، اور جو پہونچا ہے وہ کہتا نہیں۔ قرآن کی محبت وتلاوت اور اس کی تفسیری مصروفیت تو کہتی ہے کہ حرم سے باہر نہ نکلو۔ لیکن رفیق مکرم مفتی نجم الحسن صاحب کی نصیحت یاد آتی ہے، کہ اپنی طاقت اور جسم کی بساط (چستی) محفوظ رکھنا آگے ضرورت شدید پڑسکتی ہے۔ اور شام سے پہلے چراغ جلانے والا کبھی سحر سے پہلے تیل سے محروم ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے:

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد
زود بینی کش بہ شب روغن نہ باشد در چراغ

لہٰذا یہ نصیحت سوچ کر کمرہ چلا آیا۔ حسن اتفاق کل حافظ کلیم الدین بناری نے میرے ایک قدیم ساتھی مولوی فرقان احمد بہرائچی مطوف حرم شریف کو ٹیلی فون سے اطلاع دیدی کہ تمہارے ایک متعارف مولوی صاحب میری دکان پر بیٹھے تمہیں پوچھ رہے ہیں۔ مولوی فرقان ۱۹۷۱ء میں بارہ بنکی میں میرے ہاتھوں خوب سرزنش، گوشمالی، "پابدست

دگرے دست بدست دگرے" کی کیفیت سے گزر چکے ہیں۔علم الصیغہ کی تعلیل یاد نہ ہونے پر، کبھی قواعد کی بھول پر، کبھی تحریری خامیوں پر، کبھی کسی خارجی شرارت میں ان کا نام آنے پر۔ان کے والد حافظ مولوی نعمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاکید و نصیحت کی بنا پر چھڑی ان کی دوا نہیں غذا بن چکی تھی۔حرم شریف میں عزیز موصوف بعد عشاء میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔دوست واحباب کا جم غفیر تھا۔لاکھوں کا اجتماع، کون کسے ڈھونڈ ھے؟ کوئی ملے گا نہیں۔دیکھ چکا ہوں۔تین دن کے چکر اور تجربہ نے کہا کہ "کہیں نہیں جانا" تھوڑی دیر کے بعد پھر دل نے کہا، ملنے میں کیا حرج ہے؟ یہیں تو باب ملک فہد کے پاس فون پر بتلا رہے تھے۔آگے بڑھا تو وہ مجھے دور سے پہچان گئے۔ملے، گلے لپٹ گئے اور وہ تیس سال گزشتہ کی مار کا ذکر کر دیا۔میں نے کہا بھی کہ اسے معاف کرو۔مگر کہنے لگے، اسی مار نے مجھ کو اس مقام تک پہونچایا۔حاضرین سے میرا تعارف کراکے مجھ کو مزید شرمندہ کیا۔ ان کی اہلیہ اور سات بچے بچیاں وہیں پاس ہی حرم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہر ایک سے تعارف کرایا کہ حضرت تم لوگوں کے دادا ہیں۔ان سے سلام کرو، ہاتھ ملاؤ، خیریت پوچھو۔بارہ سال سے لے کر دو سال تک کے تمام بچے ماشاء اللہ! ہونہار، ذہین، خوبصورتی میں بے مثال، کـأمثال اللؤلؤ المکنون میرے ارد گرد جمع ہو گئے! ہر ایک دادا! دادا! کہنے لگا۔ ایک بچی میمونہ اتنی شریر اور شوخ جیسے آپ کی ام حبیبہ، میری گود میں

آ کے زبردستی بیٹھ گئی۔ میں نے عزیزم فرقان سے کہا کہ کس سمندر سے ان موتیوں کو حاصل کیا ہے؟ کہا کہ یہ سب آپ کے ہی ہیں۔ وہی لکھنوی تکلف "اپنا گناہ میرے سر مڑھنے لگے" پوری محفل کے لبوں پر مسکراہٹ کھلنے لگی۔ معاً یاد آیا کہ لال دروازہ نہیں حرم مکی ہے۔ اپنی زبان پر تالے لگاؤ۔ الغرض گھنٹوں مجھے گرفتار رکھا۔ چائے، بعدہٗ کھانا، اور پھر ہر روز بعد عشاء یہاں آنے کا وعدہ لے کر مجھے رخصت کیا۔ ان کی ہر روز کی ملاقات کے اصرار پر میں نے کہا کہ میں لوگوں سے ملنے جلنے نہیں آیا ہوں۔ جی بہلانے نہیں آیا ہوں بلکہ.........

بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ میرے معمولات اب یہ طے پائے کہ فجر کی نماز جیسے ہو حرم شریف میں ادا ہو بعدہٗ اپنی قیام گاہ پر ایک منزل کی تلاوت ہو۔ آٹھ بجے کے بعد چائے ناشتہ سے فراغت پر دوست احباب کی تسکین خاطر کیلئے کچھ لکھ دیا جائے۔ گیارہ بجے کے بعد سے ایک بجے تک قیلولہ، بعدہٗ ظہر کی نماز۔ یہاں ہر نماز اول وقت ادا کی جاتی ہے۔ حنفیوں کی طرح کسی میں تعجیل کسی میں تاخیر نہیں، سب کو ایک ڈنڈے سے ہانکتے ہیں۔ خیر۔

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

ظہر کے بعد کھانا، ہوٹلوں کی بھیڑ، کہیں چلتے کھارہے ہیں، کرسی پر براجمان پیر لٹکائے چبارہے ہیں، کوئی بائیں ہاتھ سے پی رہا ہے،

کوئی آدھی پلیٹ ملوث چھوڑ کر اٹھ جاتا ہے۔ مجھے اپنے عمل پر رونا آیا کہ تم کرسی کو پسند نہیں کرتے، یہاں کھڑے بلکہ چلتے کھاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور اپنے محسن و کرم فرما ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے بذریعہ ٹاور (Tower) لاسلکی گفتگو کرنے لگا، کہ آپ سچ کہہ رہے تھے کہ مولوی صاحب! تم نرم بنو!...... اس دور ترقی میں تمہاری کون سنے گا؟ "ایسے نہیں کھاؤنگا" "ویسے نہیں کھاؤں گا" ترک کرو۔ میں نے کہا دعوت ہی نہیں کھاؤنگا۔ سب سے نجات ہو جائے گی۔ کہنے لگے "وہ تو سنت نبوی ہے" میں نے کہا کہ وہ تو صرف قاری محمود عالم صاحب کے لکھے ہوئے شادی کے کارڈ میں سنت نبوی ہے، حقیقت میں سنت نہیں ہے۔

ع خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد

الغرض ہوٹل سے کھانا لایا، اور اپنی قیام گاہ پر خوب اطمینان سے شرعی اصول کے ساتھ دستر خوان لگا کے کھایا کھلایا، الحمد لله الذی اطعمنا پڑھا، ہوٹل کے باہر دیر تک کھڑا کیا دیکھتا ہوں کہ انها علیهم مؤصدة فی عمد ممددة ایک بہت بڑا فرج (Frig) کے مانند جہنم کدہ ہے، جس میں سینکڑوں مسلم مرغ ایک ساتھ سیخ پر بھنے جا رہے ہیں۔ اور بجلی کے ذریعہ اس جہنم میں گولائی سے گھوم رہے ہیں۔ اوپر نیچے آگ ہی آگ، وہ بھی گیس سلنڈر کی، بہت تیز، اگر جلدی ہو تو داروغہ جہنم دس منٹ میں پانچ سو مرغ مسلم تیار کر دے۔ میرے ذہن میں

یہ آیت ساری ہے لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش ان کا اوڑھنا بچھونا سب جہنم کی آگ کا ہوگا۔ ایک عربی نے میرے تصور سے بے پرواہ ہو کر کہا "زح ھنا" دوسری طرف سے صدا آئی "الپ تحاک" یعنی یہاں سے ہٹو۔ دوسرے نے کہا ذرا ٹھہرو۔ بھانت بھانت کی بولی، کون کسے سمجھائے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام چڑیوں کی بولی سمجھتے تھے یہاں حیوانِ ناطق اپنے ہم جنس کی بولی نہیں سمجھتا۔ اگر میں چڑیوں کی بولی سمجھتا تو ضرور حرم شریف کے کبوتر سے پوچھتا تمہارے لئے دنیا جہاں سے دانے حاجی لوگ لاتے ہیں اور حرم شریف میں چھینٹ دیتے ہیں، آخر یہ کس عمل کی احسن الجزاء ہے؟۔ اور اس مرغ موذن نے کیا کوتاہی اور سستی کی جس کی بنا پر فجزائہ جھنم خالدا فیھا کا وارنٹ ملا ہے؟۔ موذن صاحب شاید یہ کہیں کہ لم نک من المصلین اور کبوتر بام حرم شاید یہ جواب دے کہ ہم اسی کبوتر کی نسل سے ہیں جس نے سید ابرار اور ان کے یارِ غار کی حفاظت کے لئے غارِ ثور کے دہانے پر انڈا دیا تھا۔ اس کا یہ عمل خدا کو پسند آیا، ہماری نسل میں بڑی برکت ہے۔ رزق کا وعدہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کرلیا ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ ہاں تو اس مرغ مسلم نے کہا۔

تو اے کبوترِ بام حرم چہ می دانی
طپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را

میں ہر روز حاجیوں کی شکم پُری کے لیے قربان ہوتا ہوں، تم میری پریشانی کیا جانو؟ کبوتر نے جواب دیا، سُننے کے لائق ہے۔

تو مرغ سرائی خورش از خاک بجوئی
مادر صدد دانہ باجم زدہ منقار

میری پرواز ملأ اعلیٰ کی جانب ہے، تم زمین پر خوراک تلاش کرنے میں لگے ہو۔ گاہے گاہے صرف اذان دینے سے کام نہیں چلتا۔ نماز قائم کرو۔

قاری صاحب! معاف فرمایئے گا پھر قلم بہک گیا۔ یہ بے لگام، بے بریک، کہاں کہاں کی سیر کرنے لگتا ہے۔ ہاں! ''آمدم بر سر مطلب'' عصر کی نماز اول وقت چار بجے امام حرم کے پیچھے باب عبدالعزیز کی جانب پڑھی۔ داہنی طرف ترکوں کا بنوایا ہوا عظیم الشان فلک بوس قلعہ تھا، اپنی سادگی اور مضبوطی میں بے نظیر۔ اس کی پھیکی مسکراہٹ کہتی رہی کہ ہمیں یاد رکھنا بھول نہ جانا۔

زمانے کے تغیر کی کہانی پوچھنے کیا ہو
کہ ہم سے اپنی ہی تصویر پہچانی نہیں جاتی

خلافتِ عثمانیہ کا دور یاد آیا پھر یہ شعر پڑھ کر آگے نکل گیا۔

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

تلک الایام نداولھا بین الناس۔ نہ پیسہ نہ تیل، یہ سب ہے قدرت

کا کھیل۔ مغرب تک ہندوستانی سفارتخانہ کی تلاش، پھر چائے وغیرہ میں گزر گئے۔ مغرب کے بعد اپنی جگہ بیٹھے کچھ تلاوت، کچھ ذکر، عشاء اولِ وقت، آٹھ بجے اذان، فوراً دو منٹ بعد اقامت، عجیب لوگ ہیں یہ سعودی امام۔ میں نے چار رکعت سنت کی نیت باندھ لی، دوسری سے فارغ نہیں ہوا کہ "اللہ اکبر" اقامت شروع اور ختم بھی، کیونکہ کلماتِ اقامت ان کے یہاں دہرائے نہیں جاتے۔ عشاء کی نماز بھی ماشاءاللہ اسی کیف ونشاط سے بھرپور۔ ٹھنڈی ہوائیں، ہر طرف مرکری، روشنیاں، میناروں کی بہتات، ان کے اردگرد قمقموں کی فراوانی یولج النھار فی الیل کا مطلب ذرا تصحیف کے ساتھ کہ رات کو دن سے زیادہ اجالا۔ نورانیت، روحانیت، للٰہیت، کیا کہا جائے؟......

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

عشاء کے بعد حرم شریف میں عزیزم مولوی محمد فرقان صاحب بہرائچی سے ملاقات ہوئی۔ چائے، بعدہٗ کھانا، گھنٹوں زمانۂ دراز کے قصۂ دراز میں گزر گئے۔ ان کے بچے بچیاں ستاروں کے مانند چاند کے گرد، یعنی اپنی ماں کی گود سے میرے پاس آئے، میری گود میں بے تکلف گرتے رہے، گیند کی طرح اچھلتے رہے، پھر ماں سے جا کر عربی میں کچھ کہتے رہے، بحمداللہ ان کی معصوم زبانوں سے عربی اتنی بھلی لگی کہ نہ پوچھئے۔ ہزاروں مرکری بلب، وسیع میدان، گیارہ بجے رات کی بادِ نسیم، ہر

طرف مستی ہی مستی ۔ع خدا کی رحمتیں ہر سو برس رہی ہیں یہاں

جی چاہتا تھا یہیں رات گزاروں، مگر کمرہ والے انتظار کرینگے۔

جائیں گے کہیں راہ کھو گئے۔ بارہ بجے بستر پر آیا، سو گیا، صبح سے پھر وہی

معمول شروع ہوا۔ بعد نماز فجر تین گھنٹہ تلاوت میں، چار گھنٹے لکھنے میں۔

ہماری بلڈنگ والے بھی کہتے ہیں کہ کیا دیوانہ ہے؟ جسے بازار سے،

کھانے نہانے سے، آپسی گفتگو سے کوئی سروکار نہیں۔ دن میں لکھنا

پڑھنا، رات میں غائب ہو جانا......

ے ہوائے روح پرور بھی یہاں کی نشۂ آور ہے
یہاں فکرِ مے و جام و سبو ہو گی تو کیوں ہو گی
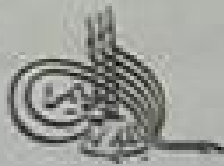
سہ شنبہ ۴ رذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۲۷ رفروری ۲۰۰۱ء

عزیز گرامی قدر قاری صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل بعد نمازِ عصر حرم شریف کے اندر کسی طرح گھس گیا، نمازوں کے بعد قدرے بھیڑ میں کمی رہتی ہے۔ لوگ بازاروں کا رخ کرتے ہیں، قیمتی اشیاء خریدتے ہیں۔ ہیرے جواہرات کی دکانوں کی لائن لگی ہے۔ کروڑوں اربوں کی سیلنگ (Saling) روزانہ ہوتی ہے۔

الغرض میں اندر مطاف میں پہنچ گیا، خانہ کعبہ کے روبرو دعا وذکر و تلاوت میں مشغول تھا کہ ایک زبردست ریلا آیا اور مجھے وہاں سے جان بچا کے بھاگنا پڑا، میری محبت کچھ جھوٹی ثابت ہوئی۔ الغرض وہاں سے کچھ دور جا کے ایک کونے میں چپکے سے بیٹھا خانہ کعبہ کو دیکھتا رہا اور یہ شعر گنگناتا رہا۔ ؎

وہ بے تابیاں جن کی عادت نہ تھی
شب و روز کا مشغلہ ہوگیا

وہاں سے بھی پولیس نے بھگا دیا، چونکہ وہ گزرگاہ تھی جس میں کوئے عافیت

تصور کئے تھا۔ اب مطاف سے باہر مسعیٰ میں آیا اور ایک جگہ قدرے خالی محسوس ہوئی، بیٹھ گیا، بائیں ہاتھ میں چپل، داہنے میں کلام پاک، اپنی بیت گدائی پر خود کو ہنسی آتی رہی۔ پڑھتا رہا اور کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ اتنے میں چار پانچ پولیس والے آئے وہاں سے بھی ہم بھگا دیے گئے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

اب نیچے کوئی جائے عافیت نہ تھی، سیڑھیوں سے اوپر چلا گیا۔ قبیل مغرب اژدحام کم تھا۔ بیت اللہ شریف دیکھتا رہا، تلاوت بھی کرتا رہا اور دل میں یہ خیال بار بار آتا کہ در پاک سے بھگایا کیوں جاتا ہوں؟

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

خدا معلوم دوبارہ یہ موقع میسر آئے نہ آئے۔ اسی سوچ میں تھا کہ پانچ جگہ سے بھگایا گیا ہوں۔ آخر کار ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ پولیس والے دیکھتے رہے، مگر کیا کرتے؟ بیٹھوں تو اٹھائیں۔ کھڑے کو کیوں بھگائیں؟ ایک سپاہی مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

پسِ دیوار کھڑے ہیں ترا کیا لیتے ہیں
دیکھ لیتے ہیں تپش دل کی بجھا لیتے ہیں

انہیں خیالوں میں گم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار میں بلایا ہے۔

ع میں آیا نہیں ہوں بلایا گیا ہوں

"لبیک اللھم لبیک" پھر کیوں کتوں کی طرح دوڑ کیا جا رہا ہوں؟ یہ میںذی کا اعتراض ہوتو حل کیا جاتا۔ یہ دیوانگی کا اعتراض ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ حضرت نانوتوی کا قصیدہ بہاریہ یاد آیا۔

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں

مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مار

غیب سے آواز آئی کہ قاسمی بننے کے لئے کتوں کی طرح بھگایا جانا ضروری ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تیل شکر تقسیم کرنے سے قاسمی بنتے ہیں۔ خلاصہ اینکہ میں بعد عشاء بارہ بجے واپس اپنی قیام گاہ پر آیا۔ یہ قیام گاہ حرم شریف سے دور تو نہیں، مگر انی جانب ہے۔ ادھر کوئی یوپی تو در کنار انڈیا کا حاجی نہیں رہتا۔ مجھ غریب و بیکس کو یہاں کیوں رکھا گیا؟ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک عربی چائے والے نے ایک چائے پیش کی "تفضل الشای" کا مژدہ سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا، اس نے زبردستی چائے کیک سے تواضع کی۔ میری اپنی سیدھی عربی سن کر وہ پوچھنے لگا "ھل انت ھندی"؟ میں نے مختصر جواب دینا مناسب سمجھا۔ پھر پوچھا "ھل انت مدرس"؟ میں نے کہا "نعم" اس کے بعد بغیر وقفہ کچھ کہتا رہا معلوم نہیں۔ خلاصہ میں نے یہ جانا کہ ہندوستانی مسلمان کافروں، بت پرستوں کے ہاتھوں مظلوم ہیں۔ ان کی مسجدیں گرادی جاتی ہیں۔ ان کے کاروبار تباہ کئے جاتے ہیں۔ ان کی آبادیاں تمام سہولتوں سے محروم رہتی ہیں۔ میں نے ہر سوال کے جواب میں "لا لا" کہا۔ اپنی عربی کی مشق نہ ہونے پر نعم اور لا کے جواب سے

آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ حسنِ اتفاق کہ اس کے ایک دوست سے (جو تین سال سے یہاں رہتا ہے) ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور وہ بمبئی کا رہنے والا ہے اردو جانتا بولتا ہے۔ اس نے بتلایا کہ یہ شعب عامر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محلہ ہے۔ اشارہ کر کے بتایا کہ یہ شعب ابی طالب ہے جہاں بنو ہاشم اور بنو مطلب برسوں محصور رہے۔ سامنے وہ پہاڑی ہے جہاں سے پہلی صدا "یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" کی لگائی۔ "یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر" یہیں اتری۔ وہ بتاتے گئے اور میں ماضی کی یاد میں آنسو بہاتا رہا جب آنسو خشک ہو گئے تو جی چاہا کہ خون کے آنسو روؤں، مگر مفتی نجم الحسن صاحب کی نصیحت یاد آ گئی کہ زیادہ محنت کر کے خود کو تھکا نہ دینا، ورنہ آگے اور بھی مقامات آئینگے جہاں دل ہی پیش کرتا ہوگا۔ ع ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اور کیا بچے ہے؟ الغرض اپنی جائے قیام پرانی عربی بستی ہے۔ جب رات گئے حرم شریف سے واپس ہوتا ہوں تو قدم قدم پر ٹھہر جاتا ہوں کچھ سوچتا ہوں، کیا سوچتا ہوں میں خود نہیں جانتا۔

ع کہاں میں اور کہاں یہ کوئے جاناں

جی چاہتا ہے پیدل چلوں، بلکہ سر کے بل چلوں۔

اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

اب گھڑی نے بارہ بجائے، اس کا کام ہی ہے بجانا۔ اس سے زیادہ وہ کیا

بجائے گی؟ اس مبارک جگہ پر کلیم عاجز یاد آ گئے ۔

اک سوز ہے جو شام سے رہتا ہے سحر تک

ایک درد ہے جو صبح سے تا شام رہے ہے

اس ہوٹل والے کے اخلاق اور میٹھی گفتگو اوروں سے نرالی تھی، ورنہ یہاں سب کمانے والوں کا تانتا ہے۔ سب کو ننانوے کا چکر ہے۔ سچ فرمایا سرکار دو عالم ﷺ نے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اس کے دل سے نکل جائے گی۔ یہاں باہر سے آنے والوں میں ۹۹ فیصد نا خواندہ اجہل ہوتے ہیں۔ اگر علم دین کا کوئی انجکشن ہوتا تو ہر عازم حج کے لئے اس کا لگوانا بیحد ضروری ہوتا۔ اُف! اس ترقی کے دور میں اب تک ایسا نہ ہو سکا۔ قلم تھک چکا ہے۔ افسوس میرا وہ قلم جسے میں استعمال کرتا تھا پاس نہیں ہے۔ العجز فیہ موقع۔ یہاں کچھ کرنے آئے ہو یا تماشہ لکھنے؟

دل دیا ہے اس نے تخم عشق بونے کے لئے

آنکھ دی ہے اس نے ساری عمر رونے کے لئے

پنجشنبہ ۶ / ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ یکم مارچ ۲۰۰۱ء

مکۃ المکرمۃ

عزیز گرامی قدر .... سلام مسنون

آج ذی الحجہ کی ۶ تاریخ ہوگئی بجز ایک عمرہ کے اور کچھ نہ کر سکا۔ کل سے حج کا احرام بندھے گا۔ فکر سوار ہے منی کے اژدحام میں کیسے رہوں گا!! اپنی تنہائی اور خلوت کی زندگی پر افسوس ہوتا ہے۔ تین لاکھ حاجیوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگی۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اکثر طاقتور ہوتے ہیں۔ بہت لوگوں کی عادت ہوتی ہے دھکا دینے کی۔ مرد عورت اس میں برابر ہیں۔ اسی دھکے کے سے میں ڈرتا ہوں۔ حرم شریف میں بعد ظہر جاتا ہوں عشاء بعد واپسی ہوتی ہے۔ کسی گوشہ عافیت میں بیٹھ کر تلاوت کرتا ہوں۔ خانہ کعبہ کو دیکھ کر رونا آتا ہے کہ۔

ع ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

لوگ خوب مگن ہیں، ہر طرف چہل پہل ہے، عوام الناس میں مجمع کی زیادتی سے مسرت ہے۔ میں عافیت کوش کسی کونے کی تلاش میں رہتا ہوں۔ اور جب کونا مل جاتا ہے بیٹھ جاتا ہوں۔ ایک پارہ بھی نہیں پڑھتا کہ وہاں حوا کی بیٹیاں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ میری طرح وہ بھی شاید کنارہ جو اور عافیت کوش

ہیں۔ وہ تو صنفِ نازک ہیں۔ تم کیوں کم ہمت بنتے ہو؟ میرا ضمیر مجھ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔

علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے

کتنے اللہ کے بندے رات دن حرم میں پڑے رہتے ہیں۔ خورد و نوش سے بے پروا، انھیں طبعی ضرورتیں بھی کم ہی ستاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں کے طفیل اپنا حج بھی قبول کرلے۔ زہے نصیب!...... کل شام کو حرم شریف کی دیواروں پر کلمہ طیبہ کا کتبہ دیکھ کر آپ کی خوشخطی یاد آئی۔ کاش! جب کی تعمیر ہے اس وقت آپ کی تحریر کردہ نشانیاں یہاں ہوتیں۔ جس طرح علامہ اقبال کے بعد کسی کی شاعری پھیکی لگتی ہے، اسی طرح آپ کی خوش خطی کے بعد کسی کے خط میں کوئی رنگ نہیں، جذب نہیں۔ شاید لوگ اسے مبالغہ اور حسن اعتقاد سمجھیں۔ اور "حبك الشی یعمی ویصم" کا مقولہ فٹ کریں۔

دوپہر کے وقت بھائی شوکت علی بمبئی والے آگئے، چند اصحاب کے ساتھ گھنٹوں خوش طبعی کی باتیں چلتی رہیں۔ جونپور کے شیث ٹیلر بھی آگئے، وہ اپنے یہاں سے حج کرنے آئے ہیں۔ چھ سات آدمیوں نے یہیں ہماری بلڈنگ میں کھانا کھایا اور دیر تک اپنے وطن کی یاد میں مخمور رہے۔ میں کچھ نہ لکھ سکا نہ پڑھ سکا۔ بعد ظہر قیلولہ کا معمول ہوگیا ہے۔ خدا حفاظت فرمائے۔

یہاں ہماری بلڈنگ میں پیلی بھیت کے ایک صاحب ہیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ طواف کے دوران گم ہوگئیں۔ بہت پریشان تھے زار و قطار رو رہے تھے۔

دعا، کراتے رہے، بحمد اللہ عصر تک واپس آگئیں، آنے کے بعد مل کر خوب روئے۔ پھر شکوہ شکایت کا دفتر کھلا۔ ہم لوگ مرد حاجی کو تسلی دیتے، خواتین خاتون کو دلاسا دیتیں۔ میاں بیوی میں خوب نوک جھونک چلی۔ عورت پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہے، مرد ناخواندہ بدعتی اور سادگی کا پتلا ہے۔ یہاں کوئی کسی سے پردہ نہیں کرتا۔ سب عرفاتی بھائی بہن بن گئے ہیں۔ یہ رسم پتہ نہیں کہاں سے چل پڑی ہے؟ پردہ تو ایک شرعی حکم ہے حج سے ساقط کہاں ہوگا؟

اعجاز احمد صاحب دوسرے عرفاتی بھائی کانپور کے رہنے والے ہیں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج میں آئے ہیں، بحمد اللہ بڑے نیک اور خدمت گذار صبح وشام چلائے وغیرہ سے نوازتے رہتے ہیں، اور میرے ساتھی حاجی محمد سعید صاحب میرٹھ کے رہنے والے ہیں یہ بھی متعدد حج کر چکے ہیں، تبلیغی جماعت سے والہانہ تعلق ہے خدمت کا جذبہ خوب ہے، بحمد اللہ اپنے گردونواح میں بھی حضرات نظر کے پاک دل کے صاف ہیں اپنا حال کچھ لائق بیان نہیں۔

؎ کعبہ بھی گئے پر نہ گیا رشکِ بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی پیاس جگر کی

حرمین شریفین میں بھی اگر قلب و نظر پاک صاف نہ ہو پھر کہاں بھلائی صفائی ہوگی؟ "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" اللہ تعالیٰ عفو و درگزر کا معاملہ فرمائے آج جمعہ کی تیاری اس بلڈنگ میں فجر بعد شروع ہوگئی۔ سات گھنٹے پہلے سے تیاری اپنے قیاس سے باہر ہے۔ مگر لگتا ہے کہ اکثر حجاج کرام یہاں اس طرح عبادت کر لیتے ہیں کہ ساری زندگی کی کوتاہیاں معاف ہو جائیں سب کچھ بھی کرو کوئی حرج نہیں کوئی پروا نہیں۔ شب برأت کے نمازی اور محرم کے تعزیہ دار جوش اور جذبہ میں سب کو پھلاند جاتے ہیں۔ شریعت کیا کہتی ہے؟ خدا کا حکم کیا ہے؟ اصول و ضوابط بھی کچھ اہمیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ کون جانے؟ کیوں جانے؟ کیا ضرورت ہے؟ بہر کیف نو بجے بندۂ عاجز بھی نہانے کیلئے غسل خانے گیا، فارغ ہو کر دس بجے حرم شریف کے باب علی سے اندر داخل ہونا چاہا، پولیس نے روک دیا۔

ع بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند

میرے فارسی بڑبڑانے کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مجبوراً دس بیس قدم پیچھے ہٹ کر دھوپ میں بیٹھ گیا۔ چلچلاتی دھوپ میں منڈے ہوئے سر، ہلکی ٹوپی، نہ بال نہ کھال۔ الحمد للہ ٹھنڈے پتھر کے فرش پر بیٹھنے سے بڑا آرام ملا۔ دو گھنٹے تلاوت اور ذکر فکر میں گزر گئے۔ ذہن کی پرواز چودہ سو سال پہلے کا دور یاد دلاتی ہے۔ اسی سرزمین پر حضرت بلالؓ گرم پتھروں کی سل کے درمیان دبائے اور ستائے جاتے تھے۔ ان پتھروں کو شاید حضرت بلال کے بعد کوئی اتنا پختہ

عقیدہ والا عاشق زار نہ ملا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

آج یہ پتھر ٹھنڈے ہو گئے۔ مسلمانوں کا جوش اسلامی بھی سرد ہو گیا۔

ترا اے قیس کیونکر ہو گیا سوز دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلائی

لہو کی گرمی کو سوداؤ نہ چاٹ جائے حنا کی ٹھنڈک
اگر ہوئے شل تمہارے بازو قسم ہے جینا محال ہوگا

حضرت بلالؓ جیسا ایمان کہاں نصیب ہو؟ یہاں آج مکہ مکرمہ میں تمام حجاج جو مدینہ گئے تھے اور جو پہلے سے مکہ میں مقیم ہیں سب کا اژدحام ہے۔ شام سے منیٰ کی تیاری، رات گئے روانگی، سب کی زبانوں پر ہے۔ آج جمعہ کا خطبہ بھی امام نے عجیب والہانہ انداز میں درد بھری آواز کے ساتھ صاف فصیح عربی زبان میں پون گھنٹے تک دیا۔ اس مقام کی اہمیت، زبان کی برکت، اور نسبت اسلامی کا تذکرہ بھی مخصوص انداز میں کیا۔ حرم شریف اور ذی الحجہ الحرام اور فریضۂ حج کے نکات وغیرہ بیان کرنے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو درپیش مسائل کا بھی ذکر کیا۔ اخوتِ اسلامی کا تقاضا ہے کہ ہم دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بھی ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اپنی بھرپور کوشش کی ضرورت بھی بتلائی۔ ثالث الحرمین و مسریٰ سید الثقلین بیت المقدس پر

صیہونیوں کا تسلط ہے۔ یہ ہماری بے غیرتی کی بات ہے۔ اس کے لیے ہر امکانی تدبیر بروئے کار لانی چاہئے۔ دین کی خدمت جہاں بھی ہو رہی ہے علماء وقائدین کو مل جل کر اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کو اپنے ذاتی مسئلہ کی طرح بلکہ اس سے اہم تصور کرنا چاہئے۔ دوسرے خطبہ میں سنت کے مطابق درود شریف اور خلفائے اربعہ کا ذکر فرمایا، اور عام پند ونصائح سے لوگوں کو محظوظ فرمایا۔ نماز جمعہ مختصر "والعصر" اور "اخلاص" پڑھ کر ختم فرمائی۔ دعا تو یہ لوگ مانگتے نہیں۔ ہاں! ہر نماز کے بعد عموماً نماز جنازہ ہوتی ہے۔ "الصلوة على الاموات، يرحمكم الله" یہی اعلان ہے۔ آج کا اژدحام اپنی آخری حد تک پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ یہاں کی محنتوں کو محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے۔ اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے! دنیا کی فراوانی اور افراط زر میں یہ امت تباہ ہو رہی ہے۔ مال کی طرف سب کا میلان بڑھتا جا رہا ہے۔ علم دین روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ دنیا ایسی محبوبہ ہے کہ اسے یہ ستانے کو جی چاہتا ہے۔

تری زلف یہ جتنی ہی پرخم ہوتی جاتی ہے
اندھیرا چھایا جاتا ہے ضیاء کم ہوتی جاتی ہے
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

کتنا خوب ایک صاحب نے کہا کہ اگر دنیا سے شادی کرلو گے تو مہر میں تمہارا دین لے لے گی۔ آج دنیا سے شادی کر رہے ہیں اور دین مہر میں

دیسے ہے ہیں

یہ بڑھیا روز بروز اپنی جاذبیت اور کشش میں اضافہ کرتی جاتی ہے۔ حالانکہ اس کی عمر ڈھل رہی ہے۔زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب ۔ موسم بحمداللہ خوشگوار ہے، ہوائیں ٹھنڈی ملتی ہیں۔پسینہ بھی ہوتا ہے۔لوگوں کے لباس عام طور پر صاف شفاف ہیں۔آپ کے بقول تم وہاں سب سے کمتر اور غریب تصور کئے جاؤ گے۔ میں جہاں سے خاموش گزر جاتا ہوں شاید لوگ یہی کہتے ہوں۔مگر جب کسی سے گفتگو ہوتی ہے تو یہ جان کر بڑی قدر کرتے ہیں کہ عالم ہے استاد ہے، مدرس ہے۔ہاتھ پیشانی چومتے ہیں۔"المرء فی طی لسانہ لا فی طیلسانہ" آدمی کی قدر اس کے لسانی جوہر سے ہے نہ کہ قیمتی چادر سے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللھم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ ۔ہاں ایک بات امام حرم کی یاد آگئی، جسے عرض کرنا ضروری ہے۔انھوں نے توحید پر بہت زیادہ زور دیا اور شرک سے بچنے کیلئے انتہائی تاکید فرمائی۔فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر جہاں بھی ہوتا ہے شرک سے مکمل برأت اور بیزاری کا اعلان ہوتا ہے۔انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ حج کی دعا تلبیہ میں بھی دو مرتبہ شرک کی نفی کی گئی ہے۔ "لاشریک لک"

کا جملہ درمیان میں بھی ہے، آخر میں بھی۔ ان کی شرک سے بیزاری پہ میں
چپکے چپکے سوچ رہا تھا۔

بڑا ہی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

میرے ایک دوست نے بڑی اچھی بات کہی کہ عربوں کے پاس سب سے
بڑا سرمایہ توحید کا ہے۔ عمل میں، شکل میں، تحصیل علم میں، ایک ایک سنت
کی اتباع میں، مسائل کی چھان بین میں، ہمارا ہندوستان بحمد اللہ دنیا میں
نمایاں ہے۔ ہاں! مگر ہمارے پاس وہ توحید نہیں، وہ توکل نہیں، جو عربوں
میں دیکھا گیا ہے۔ جوان بیٹا حادثہ کا شکار ہوگیا، کفن دفن کے بعد زندگی
معمول پر آگئی۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ لیا، صبر کرلیا۔ الخیر
فیما وقع۔ ایمان قوی ہے، اور اندر کا یقین پختہ ہے۔ یہاں ظاہرداری،
شکل نوازی، ہماہمی، لیبل ہے۔ اندر کی مایہ غائب ہے۔ اللہ معاف فرمائے۔

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

شنبہ ۸ر ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۳ر مارچ ۲۰۰۱ء

عزیز گرامی! حضرت قاری صاحب...... السلام علیکم

شنبہ ۸ر ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ رات بعد عشاء معلم کی گاڑی آئی اور
ہم لوگوں نے منیٰ کیلئے احرام باندھا، تلبیہ کہتے ہوئے سوار ہو گئے۔ اندیشہ تھا کہ
رات خراب ہوگی سونا حرام ہوگا۔ مگر بحمداللہ بعافیت ایک گھنٹہ کے اندر اپنے
خیمہ میں سب لوگ تشریف فرما ہوئے۔ خیموں کی سجاوٹ میں ہر سال نئی
نئی ترقی، جدید انداز سے سہولیات اور حاجیوں کو گمشدگی راہ سے بچنے کی
تدبیریں، راہنما ہر راہ پر نشانات، ہدایات کی بہتات۔ اللہ تعالیٰ نے سعودی
حکومت کے دل میں حاجیوں کا احترام بہت اچھی طرح پیوست کر دیا ہے۔
کسی بھی رفتار سے چلتی گاڑی کسی عہدہ دار کی اگر ہے، سامنے سے حاجی گزرنا
چاہے اور ڈرائیور کو علم ہو جائے فوراً پاور بریک لگائے۔ حاجی کو پاس دے گا،
سلام بھی کرے گا، مرحبا اور مبارکباد دے گا۔ یہ مکان کی برکت ہے۔
حضرت ابراہیمؑ کی ضیافت دنیا میں مشہور ہے۔ بغیر مہمان کے کھانا نہ کھاتے
تھے۔ شاید اسی وجہ سے بشارت دینے والے فرشتے بھی مہمان بن کے
آئے۔ منیٰ میں چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں نیچے اونچے، چھوٹے بڑے،
حسین وجمیل، غیر متوازن، کیف ما اتفق، منیٰ کی کیا تخصیص، پورا حجاز بلکہ پورا

عرب بحری بحر ہے۔ اس وقت منیٰ کے خیموں میں اے سی (A.C.) کی برسات اس قدر ہے کہ احرام کے کپڑے سترِ عورت سے عاجز ہیں۔ عجب سماں ہے، عجیب منظر ہے۔ عورتیں جو ہمیشہ پردہ میں رہتی رہیں۔ آج وہ مستورات چہرہ کھولے ہیں۔ مرد ہمیشہ پاجامہ یا سلی ہوئی ازار میں ملبوس رہتے ہیں، آج ازار کی چادر ہوا میں اڑ رہی ہے۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

آج دیوانگی وجذب کا غلبہ ہے۔ عقل سر پیٹ رہی ہے۔ حکم خداوندی اصل ہے اور عقل و نقل اس کے تابع۔ منیٰ کے اس مجمع میں تمام مسلمانوں کے ساتھ بلکہ تمام انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور مروت کا جذبہ نمایاں ہے۔ سب مجھ سے اچھے نظر آتے ہیں۔ شکلاً بھی وضعاً بھی نظراً بھی اور طبعاً بھی۔ یہاں کسی کی نظروں میں غلط کاری یا کسی طرح کی شہوت یا ہوس نہیں۔ حالانکہ حوران بہشتی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ پاک نگاہی بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہر ایک دعا و ذکر میں منہمک ہے۔ صبح چائے کے بعد دو گھنٹے آرام کیا، آنکھ کھلی تو اے سی کا کرشمہ، خنکی اور ہلکی ہلکی گنگناہٹ۔ مجھ جیسے غریب کے بس میں نہیں تھا کہ یہاں آتا، مگر یہ ڈاکٹر صاحب کا کرم ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والعقبیٰ۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے۔

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رود
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

میں بھی سورنا تواں تھا، کبھی بھی لشکر سلیمان سے پس جاتا۔ مگر باب السلام کے کبوتر کی ذرہ نوازی ہے کہ میں خود کو یہاں پاتا ہوں۔

ع

آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

لوگ دعا یاد کرنے میں مشغول ہیں، اور میں بلاوجہ سینہ قرطاس کو اپنی روسیاہی سے کالا کر رہا ہوں۔ چل رہا ہوں وضو کرونگا اور پھر وہی مشغلہ، وہی "کلام الملوک ملوک الکلام"

مثل المومن کالاترج

او کالتمر والریحان

کلام الٰہی کے سوا کسی چیز میں دل کو سکون نہیں ملتا۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی

مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

"خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ" مولوی عبدالوحید کے جملے یاد آگئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔

(آمین یارب العالمین)

سہ شنبہ ۱۱/ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۶/مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم قاری صاحب .... سلام مسنون

بعد نماز مغرب ۸، ۹، ۱۰/ذی الحجہ کے واقعات سپردِ قلم کرنے بیٹھ گیا۔ یہ تین دن انتہائی مصروفیت، بھاگ دوڑ، ہماہمی کے تھے۔ کسے فرصت ملتی کہ کچھ تحریر کرتا۔ ۸/ذی الحجہ کا مکمل دن منیٰ میں گزرا۔ قصیدہ ابن الفارض کا ایک مصرعہ چالیس سال کے بعد یاد آ گیا۔ خدا معلوم کہ کس گوشہ میں محفوظ تھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۹۶۱ء میں آسام پڑھانے گیا تھا، وہاں یہ کتاب قصیدہ ابن الفارض میرے زیر درس تھی۔ وہ شعر یوں ہے۔

ع "لمنیٰ عندی منیً بلغتہا"

یعنی منیٰ پہنچنے کی تمنا آج اب پوری ہوئی۔ ہر تمنا کہاں پوری ہوتی ہے؟۔ بلکہ ناکامی پر حسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

آرزو پھر آرزو کے بعد خونِ آرزو
ایک مصرعہ میں ہے ساری داستانِ زندگی

میں بھی خود کو ایسا ہی تصور کرتا رہا کہ یہ حسرت اپنے سینے میں لئے دنیائے فانی سے چلا جاؤں گا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کا احسان۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ اللہ بہتر بدلہ دے!

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

منیٰ سے عرفات کے لئے جانے میں بسوں کے لئے بڑے انتظار سے گزرنا پڑا۔ جو بس آتی طاقتور لوگ سوار ہو جاتے، اور مجھ جیسے گوشہ نشیں لوگ راہ تکتے رہ جاتے۔ معلم کی بس آتی ہے، بھر گئی، جا رہی ہے، نکل گئی، دوسری آئے گی، تیری آئے گی۔ بدقت تمام محبت کی راہ میں آزمائشوں سے گزرتے رہے۔ عامر عثمانی کی یاد آتی ہے۔

آزمائش اے دل سخت ہی سہی لیکن
یہ نصیب کیا کم ہے کوئی آزماتا ہے

اپنی کمی کا احساس ہر جگہ ستاتا رہتا ہے۔

محبت انتہا میں مشکلیں آسان کرتی ہے
مگر اس فتنہ گر کی ابتداء مشکل سے ہوتی ہے

دھوپ میں خیمہ سے باہر، سامان لادے، مجنونانہ شکل، زمین پر بیٹھے، ایک گاڑی کی اوٹ میں دھوپ سے بچنے کے لئے چھپے رہے۔ جب مجمع چھٹ گیا، لوگ کم ہو گئے، عافیت کوش اٹھا اور ایک بس میں پیچھے سے جس کا دروازہ کھلا تھا، مگر اونچائی ڈھالے کی بہت تھی۔ (لگ بھگ تین فٹ رہی ہوگی) بمشکل گھس گیا۔ میرے رفیق محترم امان اللہ صاحب کو میں نے یہ جانا کہ وہ رہ گئے۔ یا اللہ اب کیا ہوگا؟ خیر جو ہوگا اس کی راہ میں ہوگا، اس کی مرضی یہی ہے۔

وصال و ہجر چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

نو بجے سے بارہ بجے تک بس پتہ نہیں کہاں کہاں گئی؟۔ ڈرائیور نیا تھا راستہ بھول گیا۔ میں نے کہا، جب سعودی ڈرائیور راہ بھول سکتے ہیں تو ہم آپ کیا ہیں؟ آخر میں ہتھیار ڈال دیا، اور ہم لوگ دور سے مسجد نمرہ دیکھ کر اتر گئے۔ عرب کی پہاڑیاں، عجیب و غریب خندق دکھائی اور کہیں قد آدم اونچائی۔ کہیں بیٹھ کے چلتے رہے، کہیں سرکتے رہے۔ گرنے کا خطرہ ہر آن۔ لوگ حیران تھے۔ کہاں آ گئے؟ اوپر حکومت کا ہیلی کاپٹر گشت کر رہا ہے۔ حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہے۔ منیٰ، عرفات، مزدلفہ، مکہ کئی ہیلی کاپٹر ہمہ وقت چکر لگاتے ہیں۔ لوگ حیران و ششدر، اس سے اپنی بے زبانی کے باوجود کچھ نہ کچھ کہتے۔ کہ وہ پولیس سے ہمیں خیمہ کی راہ بتائے۔ میں نے کہا کہ ادھر اوپر اپنی توجہ بڑھائیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا و درخواست کیجئے۔ وہی مدد کرے گا۔ ہیلی کاپٹر سے کیا ہوگا؟ مالک بحر و بر سے سب کچھ ہوگا۔ ہم لوگ بارہ بجے سے چل کر ایک بجے مسجد نمرہ پہنچے۔ وہاں سعودی حکومت کے سربراہان کی آمد آمد تھی۔ ہٹو! بچو! ہو رہا تھا۔ مسجد کے باہر ہی ایک غریب چٹائی بچھائے "ماء بارد" بیچ رہا تھا۔ اس کی چٹائی پر اجازت لے کر بیٹھ گیا۔ وہاں سے بھی پولیس والے اٹھانے لگے۔ میں نے کہا۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

اس غریب نے کہا کہ تھوڑی دیر کیلئے اٹھ جایئے، پھر بیٹھ جایئے گا۔ یہ شہزادہ ولی عہد وزیر داخلہ ہے۔ لوگ اس کی زیارت کو ترستے ہیں۔ آپ بھی دیکھ لیجئے۔ یہ باڈی گارڈ ہیں، یہ بجلی کا ہیٹر ہے، یہ شاہزادوں کی کاریں ہیں کیسی چمک رہی ہیں؟! انجن کی آواز نہیں۔ اللہ نے کیا کچھ دے رکھا ہے۔ تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء کا نمونہ دیکھنے کو ملا۔ لوگ عش عش کرتے رہے۔ میں بچپن کا تصوری دنیا میں کھویا تھا۔ اس کے باڈی گارڈ مسجد میں جوتے پہنے چلے گئے۔ میرے دوست امان اللہ بھائی اس پر چیں بہ جبیں ہوئے۔ میں نے کہا، چپ رہو۔

ع
رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

الغرض نماز کے بعد لوگ مسجد سے نکل گئے۔ میدان میں خال خال دعا میں مشغول ہو گئے۔ اکثریت کھانے پینے میں لگ گئی۔ ٹھنڈا گرم، بریانی کباب، اور طرح طرح کے جوس، سوپ، پیپسی، مجو کیا نام ہے؟ مجھے یہیں سننے میں آیا۔ فروٹ (Fruit) کی بھرمار ہے۔ مسجد نمرہ میں جگہ جگہ اسی کھانے پینے کے جھوٹے پھیلے ہوئے ہیں۔ پلاسٹک کی پلیٹ، پیالیاں، گلاس تمام سامان۔ پلاسٹک کے برتن میں کھایئے اور جو بچے چھوڑ دیجئے۔ حج جیسی عبادت کو سیر و سیاحت سمجھا جاتا ہے۔ سرمایہ داروں کی چہل پہل ہے۔ مکمل جوڑے بلکہ پورا پریوار گود میں بچہ لئے حاضر حرم ہوتے ہیں۔ یہ دن یہاں دعا میں مشغول ہونے کا ہے نہ کہ کھانے پینے کا۔ میں ایک جگہ مسجد میں بیٹھا اپنے محبوب مشغلہ میں لگا تھا، یکایک استنجاء کی ضرورت

محسوس ہوئی۔ باہر نکلنے کیلئے ایک طرف چل دیا۔ جگہ اور نشان سے بے پروا، بڑی دور تک چلتا رہا۔ مسجد اتنی لمبی چوڑی کہ باہر نکلنا مشکل۔ باہر نکلے بھی تو استنجا کی لائن بڑی لمبی اپنی عجلت کو دبائے الٹے پاؤں پلٹ آیا۔ یہاں بھی میرے بس کی بات نہیں۔ میرے ضمیر نے کہا "تم کس کام کے ہو؟ جاؤ صرف پڑھو پڑھاؤ۔ ارے! کہیں بھی میدان میں قطع نظر کر کے بیٹھ جاتے"۔ نہیں! نہیں! یہ جگہ متبرک ہے۔ یہی کرنے آیا ہوں؟ بہرکیف! استنجا، دبائے وضو کر کے جو واپس ہوا تو جگہ غائب، وہ مقام نظروں سے اوجھل، میدان تیہ میں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے رہے۔ ان پر کیا گزری؟۔

مری بے کسی کا عالم کوئی اس کے دل سے پوچھے

مری طرح لٹ گیا ہو جو بچھڑ کے کارواں سے

اسی مسجد نمرہ میں چکر لگاتے لگاتے دعا کرتے کرتے تھک گیا۔ یا اللہ اب کیا ہوگا۔؟ رات اندھیری آرہی ہے۔ مگر یہاں تو رات میں بھی دن کی طرح بلکہ دن سے زیادہ روشنی رہتی ہے۔ اب یہاں سے بعد غروب بغیر نماز پڑھے نکل جانا ہے۔ معلم کا خیمہ بھی نہیں ملا اس وجہ سے ان کی بریانی سے بھی محرومی رہی۔ ایک جگہ ایک پلیٹ بریانی کا دام پوچھا، جواب ملا فی پلیٹ دس ریال۔ میں نے کہا انڈین ایک سو بیس روپیہ، چلو کھا کے پریشان نہ ہونا۔ ابھی تو استنجاء سے پریشان تھے۔ سیدنا آدم علیہ السلام گندم کھا کے جنت سے نکلے اور یہاں اگر بریانی کھائی تو کہیں عرفات اور مزدلفہ سے محروم نہ نکلنا پڑے۔ یوم عرفہ اور میدان عرفات میں ایک معروفی کا کھو جانا حیرتناک بلکہ دہشت ناک ہوگیا۔

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں

وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

ایک گھنٹہ کی پریشانی کے بعد اپنی جگہ بحمداللہ ملی۔ جان میں جان آئی، خدا کا شکر ادا کیا، سیدھے راستہ باہر آئے، میدان میں ریت پر استنجا، کیا، وضو کیا، غروب کے وقت مزدلفہ کے لئے پیدل نکل گئے۔ عرفات سے نکل کے تین اصحاب جونپور اور قرب و جوار کے مل گئے۔ انھوں نے بڑا کرم کیا۔ ان کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہتر اجر دے۔ انھیں کے ہمراہ پیدل مزدلفہ کھیلتے کھاتے، ہنستے بولتے، چلتے بیٹھتے آرام ہراحت پہنچ آئے۔ آتے ہی مغرب وعشاء پڑھی گئی، بقدر اشک بلبل ایک کھانے میں پانچ آدمیوں نے کھایا۔ کھانا پینا کم ہو تو بول و براز کی حاجت بھی کم ہو، تجربہ کار لوگ ان مقامات پر یہی کہتے ہیں۔ صبح بحمداللہ چار بجے بیدار ہوئے، ہوا کی تیزی، خنکی، اور ریت کا میدان۔ دیوانہ و مجنون کی شکل خود بخود بن گئی۔ مگر بحمداللہ اپنے فرائض و معمولات میں فرق نہیں آیا۔ ''دیوانہ بکار خود'' دیوانہ نہیں ہوتا۔ دن نکلنے سے پہلے مزدلفہ چھوڑ دیا۔ آٹھ بجے منیٰ اپنے خیمہ میں پہونچ آئے۔ وطن اقامت بھی وطن ہی ہے، محبوب ہے۔ خوشی ہوئی۔ استنجا، وضو کے بعد اپنے مشغلہ میں لگ گیا۔ دس بجے بڑے شیطان کو کنکری مارنے نکلا۔ راستہ میں بڑی بھیڑ تھی، اتنی بھیڑ میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی۔ جو گرا وہ گیا۔ نفسی نفسی کا عالم ہے۔ غلطی ہوئی، شام کو میدان خالی تھا۔ ہم جیسے کمزوروں کے لئے وہی وقت بہتر تھا۔ محلہ بلوہ پورہ معروف کے لوگ مجھے لوا کے

چلے گئے۔ خود بھی پریشان ہوئے مرا بھی دم گھٹنے لگا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ میں جان کی بازی نہیں۔ اور یہاں تو جان بچانا مشکل ہے۔ دیار حبیب کی لذتیں ہی کچھ اور ہیں۔

عشق کے مراحل میں وہ بھی وقت آتا ہے
آفتیں برستی ہیں دل سکون پاتا ہے

جب چلے گئے تو مجمع سے نکلنا بھی کارے دارد۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" ایک سیہ فام عورت اپنے شیر خوار بچے کو سر پر رکھے رمی جمار کیلئے مجمع میں گھسی، بچہ پیاس سے بیتاب ہے، رورہا ہے، چلا رہا ہے، مگر اس عورت کا جذبہ شوق قابل دید ہے۔ مجھے شرم آئی، کہ تم ہمت ہارتے ہو اور یہ صنف نازک آگے بڑھ رہی ہے۔ مگر وہ صنف نازک کے ساتھ جنس قوی ہے۔ حبشیوں کی صحت، قد وقامت، یہاں سب لوگوں میں مشہور ہے۔ ان سے بہت احتراز کیا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے ڈھائی گھنٹہ ننگے سر دھوپ میں جل بھن کر اس سے فراغت ہوئی۔

ع محبت کی راہوں میں چلنا سنبھل کر

مصرع یاد آگیا۔ کمرہ آکے آرام کیا، بعد ظہر قدرے کھانا کھایا، شام تک قیلولہ، بعد مغرب آکے کچھ لکھنے بیٹھ گیا۔ کل کی فکر سوار ہے۔ منیٰ کے خیموں میں اژدحام اس قدر رہتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ رات دن استنجا، بیت الخلاء، وضو خانہ کی لائن ختم نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اسی میں نہانے لگتے ہیں۔ حقوق العباد کا خیال کون کرے؟ اکثر حجاج ناخواندہ بلکہ

وجمیل ہوتے ہیں۔ کسی کی نسبت بھی نہیں۔ عورتیں بے پردہ خوب آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی رہتی ہیں۔ کسی سے کوئی پردہ نہیں، آپس میں بے حجاب ملتے رہتے ہیں۔ دوسرے دن کی رمی میں احتیاط ضرورت سے زیادہ کرنی پڑی۔ "دودھ کا جلا ہوا مٹھا پھونک کے پیتا ہے" عشاء کے بعد بلکہ گیارہ بجے خیمہ سے نکلا، چونکہ صبح سے مسلسل چلتا رہا، تکان بے حد تھی۔ دسویں کو طواف زیارت بھیڑ کی وجہ سے نہیں کر سکا۔ ۶ بجے قربانی، ۱۰ بجے حلق، گیارہویں کو بعد ظہر طواف زیارت اور سعی سے فارغ ہوا۔ طواف اور سعی کا حال بھی وہی ہے۔ اسی اژدحام میں طاقتور لوگ کمزوروں کو دھکا دے کر حجر اسود کا بوسہ لیتے ہیں، اور اسے ثواب سمجھتے ہیں۔ دس بیس آدمیوں کو دھکیل کر اگر استلام حجر اسود ملجائے اسے غنیمت تصور کرتے ہیں۔ میرے پیش نظر حضرت عمرؓ کا وہ مقولہ ہے مالنت لا حجر لا تنفع ولا تضر بہر کیف میں دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر اسے بوسہ لیتا۔ کیونکہ بھکاری بن کے آیا ہوں جو ملے لے اسے قبول کرنا ہے

جو مل رہا ہے وہ بے کیف و کم قبول کرو
بھکاریوں کو کہیں اختیار ہوتا ہے

سعی بین الصفا والمروہ کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ لوگ دوران طواف و سعی دعائیں یاد کرتے ہیں، پنج سورہ ہاتھ میں لئے اس کا ورد کرتے ہیں۔ عجیب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ رنگ و نسل بھی مختلف، زبانیں مختلف، کلام پاک میں ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانہا و غرابیب سود ومن الناس والدواب و الانعام مختلف الوانہ کذالک انما

یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا آیا ہے۔ کچھ لوگ اتنے گورے چٹے جیسے بگلا اور کچھ اتنے کالے کلوٹے جسے عربی میں اسود حالک کہا جائے ۔اور کچھ عوان بین ذالک ۔بار بار فتبارک اللہ احسن الخالقین زبان پر آتا ہے۔ صفا و مروہ نامی پہاڑیاں کہاں ؟ ذرا سا نشان رہ گیا ہے۔ اب کچھ کرنے کے لئے شکتی چاہئے۔ میرے جیسے عافیت کوش کو اگر ایک دفعہ بھی دھکا لگتا ہے تو تصور میں مولانا روم کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است ☆ از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنیاد خلیل آزر است ☆ دل گزر گاہ جلیل اکبر است

اور کبھی علامہ اقبال کا یہ شعر گنگنانے لگتا ہوں۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

مگر مجھ جیسے بے نوا کی صدا ہی کون سنتا ہے۔

ع کون سنتا ہے فغانِ درویش؟

ایک صاحب دوران طواف دعا یاد کر رہے تھے۔ وقنا عذاب الدینار، وقنا عذاب الدینار میں نے انہیں ٹوکا نہیں، یہاں کسی کو کیوں ٹوک کر مصیبت مول لوں؟ ہنستے ہوئے گزر گیا۔ دینار و درھم بھی ایک مصیبت ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک یاد آئی کہ میری امت کا فتنہ مال ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (آمین)، بہر حال طواف وسعی کے بعد شیطان کو کنکریاں مارنے چلا۔ راستہ میں ایک بزرگ ملے، کہنے لگے کہ

ب سے بڑا شیطان تو آدمی کا نفس ہے۔ اس کو تو کوئی کنکری نہیں مارتا۔ بلکہ خوب کھلا پلا کے موٹا کئے رہتے ہیں۔ مارنا تو صحیح معنی میں اس کو چاہئے۔ میں نے کہا کتنی سچ بات اس بوڑھے نے کہی۔ ان اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک یعنی تمہارے پہلو میں جو نفس ہے وہ سب سے بڑا تمہارا دشمن ہے۔ اس سے کبھی غافل نہ رہنا۔

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

دوسرے دن رات گیارہ بجے گیا، بارہ بجے واپس آیا۔ بہت سکون تھا۔ نہ گالی گلوچ، نہ چپل جوتے۔ آج تیسرا دن بھی بعافیت گزر گیا۔ عصر کے بعد گئے، قبیل مغرب رمی جمرات سے فرصت ملی۔ ایک ٹیکسی سے واپس آرہے ہیں۔ راستہ میں جام لگ گیا۔ خطرہ تھا کہ حدود حرم میں نماز قضا ہوجائے گی۔ میں نے ڈرائیور سے عربی میں بات کی۔ اس نے ذرا تامل کے بعد گاڑی ایک پارکنگ کے قریب روک دی۔ پولیس نے مزاحمت کی، ڈرائیور نے نماز کا عذر کیا، سپاہی مان گیا۔ ڈرائیور نے فوراً کار سے مصلی نکالا، خود ہی تکبیر کہی، ہم چار سوار اس کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ بہترین قرأت کے ساتھ نماز پڑھائی، طبیعت خوش ہوگئی۔ اب چلے۔ راستہ میں عالیشان دکانیں، ہوٹل، عمارتیں، روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کرنے والی۔ میں ماضی کی یاد میں لگا ہوا تھا کہ یہی وہ دیار ہے جہاں ایک کھجور میں سات آدمی شریک ہوتے تھے۔ یا یہی وہ مقامات ہیں جہاں فاقوں سے تنگ آ کر

پیٹ پر پتھر باندھے جاتے تھے۔ قیمتی کپڑوں کی عالیشان دکانیں ان گنت کھانا، کپڑا، مکان، تینوں لائن سے عربوں میں ناقابل تصور تبدیلی آگئی ہے۔

میں ذرہ ہوں نہ مٹ جائے سلف کی داستاں ساقی
نظر آتا ہے اب کچھ اور ہی رنگ جہاں ساقی

میری کار قدم قدم پر پہروں ٹھہرتی رہی۔ میں چاروں طرف دکانوں کے بورڈ پڑھتا رہا۔ ماشاء اللہ بورڈ کی تحریر اور اس کے نقش و نگار آپ کو بھی مبہوت کردیں۔ ایک پانی کی ٹنکی خوب بڑی، واٹر ورکس (Water Works) والی، سرکاری، خوب اونچائی پہ دیکھی جس کی گولائی پیاز کی شکل میں تھی اس کی گولائی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم وجعلنا من الماء کل شیء حی خط کوفی میں لکھا ہوا تھا۔ طبیعت مچل گئی۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ یہاں قدم قدم پہ حجاج کرام کی ضیافت کا انتظام اہل ثروت کی طرف سے، یا سعودی حکومت کی طرف سے خوب اچھی طرح ہوتا ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ لمکا، (Limca)، پیپسی (Pepsi)، میرنڈا، (Miri nda) مینگو، (Mango) اور معلوم نہیں کیا کیا نام ہے؟ اچھے بسکٹ، کیک مٹھائی کے ساتھ، ٹرک کا ٹرک بھر کر راستوں میں تقسیم کرتے ہیں، لٹاتے ہیں۔ صبح سے شام تک ہر کس و ناکس مستفید و مستفیض ہوتا ہے۔ اس ٹھنڈے کی وجہ سے کچھ لوگ زکام، بخار، حرارت، نزلہ کے شکار ہو جاتے ہیں۔ مگر اسے چھوڑتا کون ہے؟

ع مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

مگر جانتے ہوئے میں اسے چھوڑتا نہیں۔ آپ کی طرح مجھ سے پرہیزگاری نہیں نبھتی۔ نتیجہ ظاہر ہے، ......کھانسی، بلغم، ...... کچھ تو پرانی عادت سے واثمہما اکبر من نفعہما کا ورد بھول جاتا ہوں۔ ہر رات توبہ کرتا ہوں، دن میں بھول جاتا ہوں۔ شاعر کا قول برعکس ہوگیا۔

ع رات بھر بادہ کشی صبح کو توبہ کرلی

"سارے دن چپکی چلی رات میں توبہ کرلی"۔ یہاں کی آب وہوا بحمد اللہ بہت اچھی ہے۔ گردنام کی کوئی چیز نہیں۔ صفائی کا نظم بھی حکومت کی طرف سے بہت بہتر ہے۔ لوگ سفید پوشی میں فرشتوں سے آگے ہیں۔ اس وقت یہاں رات کے بارہ بجے ہیں، آپ کے یہاں رات کے ڈھائی بجے ہوں گے۔ آج بحمد اللہ چھ روز کی ہماہمی اور انتہائی مصروفیت کے بعد فرصت ملی ہے۔ ان چھ دنوں میں نہ تاریخ یاد رہی نہ دن۔ خود فراموشی کی حد ہوگئی۔

نہ موسمِ گل یاد نہ گلشن کی فضا یاد
کچھ اس طرح تھے قید کہ کچھ بھی نہ رہا یاد

سب سے زیادہ پریشانی لوگوں کی جہالت سے ہوتی ہے۔ رنگ ونسل تو الگ ہیں ہی مسلک ومذہب بھی جدا۔ کون کس سے کہے؟ کل ۱۳ رذی الحجہ کو انشاء اللہ العزیز اطمینان سے غسل کرونگا، کپڑے بھی بدلوں گا، فرحت وانبساط کی سانس لونگا۔ آج شام چار بجے بارش ہوگئی، چپل سے کپڑے چھینٹ والے ہوگئے۔ چپل کا کرشمہ سر تک پہونچا۔ آج دیوانگی کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

پنجشنبہ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ/ ۷؍مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم قاری صاحب............سلام مسنون

کل تک کی کہانی سناچکا ہوں۔ آج ۱۳؍ذی الحجہ صبح سے کپڑے دھلتا رہا اور یہ خیال کرتا رہا کہ شاید تیس برس کے بعد آج یہ سعادت نصیب ہوئی، کہ صابن رگڑتا رہا میل کچیل صاف کرتا رہا۔ نیل پاؤڈر کہاں سے لاؤں؟ کس سے مانگوں؟ چلو سادگی سے کام کرلو۔ دھوبی کی طرح ایک درجن کپڑے، دو گھنٹے میں صاف نہیں، بلکہ پاک ہو گئے۔ نکھار کیا آئے؟ اس کے لئے ہنر چاہئے، جس سے میں کورا ہوں۔

ع زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

گلستان کا شعر ہے، اسے پڑھتا رہا۔ کل شام منیٰ سے مکہ کے لئے پیدل چلنے کا پروگرام بنا۔ "آٹھ کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ چلو چلا جائے" امان اللہ بھائی نے کہا۔ میں نے لبیک کہا۔ راستہ نا معلوم، زبان نا معلوم، افراد نا آشنا۔ نصف ساعت چلنے کے بعد گاڑی والے سے پوچھا کہ "الی الحرم" اس نے کہا "عشر ریال"۔ ہم لوگ آگے بڑھے، پندرہ منٹ کے بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا "الی الحرم" اس نے کہا "عشرین ریال" ہم لوگ آگے بڑھے، ایک اچھی سی کار نظر آئی پوچھا "الی الحرم" جواب

قدرے توقف کے بعد ملا "ماۃ ریال" امان اللہ بھائی نے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا کچھ خبر ہے کیا کہا؟ سو ریال مانگ رہا ہے۔ اسے جانا نہیں ہے۔ اسی چکر میں منیٰ کے پارک، دکانیں، بازار، سڑکیں دیکھتا رہا۔ حکومت سعودیہ نے منیٰ سے مکہ تک نیم کے درخت سایہ کیلئے خوب سلیقہ اور لائن سے لگائے ہیں۔ دیکھنے میں نیم ہی ہیں، مگر چہرہ اداس، پتیاں مرجھائی ہوئی، پھل کہاں سے آویں؟ میں نے ان نیم کے درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر ان غریب الدیار اشجار کو حرم پاک کے قرب کی مبارک باد دی، کہ زہے نصیب تمہیں حرم شریف کے زائرین کی پاک نگاہیں میسر ہیں۔ کہنے لگے وطن سے دوری و مجبوری کا غم ہمیں کھائے جارہا ہے"۔ حب الوطن من الایمان" "حب وطن از ملک سلیمان خوشتر"۔

ع خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

میں یہاں اس طرح پردیسی ہوں جیسے پاکستان ہجرت کرنے والے مسلمان نصف صدی میں بھی پاکستانی نہ بن سکے۔ یا جیسے عربی کھجوریں ہندوستان میں پھلتی ضرور ہیں، مگر وہ شیرینی اور لذت کہاں؟ صرف چمڑا اور ہڈی ہے، گودا اور گوشت ندارد۔ ہر کارے، ہر مردے، ہر نطلبے، ہر ارضے، گھنٹوں انہیں مناظر کو دیکھنے کے بعد عشاء تک اپنی قیام گاہ آئے۔ بقرعید کے ایام ہیں اور ہوٹل سے کھانا، گوشت، مرغ کی بریانی خرید کے آتی ہے۔ تصورات میں ڈوبا ہوا، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی، مرغ کی بریانی لے کر کمرہ میں آیا تو فلیٹ (Flat) کے پہرہ دار نے یہ خوش خبری سنائی کہ تمہارے کمرہ میں فریج

(Fng) کے اندر ایک بکرا مسلم پڑا ہوا ہے۔ اسے بناؤ کھاؤ، موج کرو، غم نہ کرو۔ میں نے دیکھا کہ وہ بکرا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ جب مجھے کھانا نہیں تھا تو ذبح کیوں کیا؟ میں نے کہا، ثواب کے لئے، حکم خداوندی کی اطاعت میں، اور تمہیں جنت کی سواری بنانے کے لئے۔ اس بکرے نے کہا میری جان جائے، آپ کو ثواب ملے۔

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

میں نے کہا، یہ عشق آباد ہے شعور پور نہیں۔ عقل کی دنیا الگ ہے، اور عشق کی کائنات الگ۔ عقل کچھ اور چاہتی ہے اور عشق کسی اور چیز کا تقاضا کرتا ہے۔

عقل کہتی ہے کہ پی شیر و شکر ☆ عشق کہتا ہے کہ پی خونِ جگر
عقل کہتی ہے کہ چل بازار کو ☆ عشق لے جاتا ہے کوئے یار کو

لیکن عشق اور عقل کی اس نوک جھونک میں عشق ہی بازی لیجاتا ہے۔

عقل رہ جاتی ہے اور عشق کی چل جاتی ہے
ضبط کرتا ہوں مگر آہ نکل جاتی ہے

یہاں عقل محو تماشا ہی رہتی ہے کہ عشق اپنا کام کر جاتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

یہاں کے اصول و ضوابط عقل و ہوش کیلئے الٹے محسوس ہوں گے۔

انہی ہی چال چلتے ہیں دیوانگان عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

الحاصل امسال کی عید قرباں تو قربان ہو گئی۔ غالباً ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم دیوبند جب پڑھنے گیا تھا، کچھ اسی طرح پھیکی پھیکی عید ہوئی تھی۔ یوم اخر میں دال کھانی پڑی۔ انہیں مواقع میں اپنا وطن اور اس کا ایک ایک ذرہ یاد آتا ہے۔ بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ مجھے تو اب اپنے وطن اصلی اور دارالقرار کی یاد آنی چاہئے۔

چوں آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بفکر آشیانہ

آج کل مدرسہ والے کھال کھینچنے کے چکر میں ہوں گے۔ یہی موقع ہے۔ پھر کہاں اس طرح کی آمدنی؟ اب دوپہر کے وقت قدرے قیلولہ کی غرض سے آپ سے معذرت خواہ ہوں، پھر ملوں گا۔ انشاءاللہ

۱۴ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ / ۹ مارچ ۲۰۰۱ء
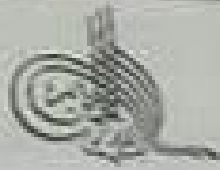
(یوم الجمعۃ المبارکۃ بعد العصر)

محترم جناب قاری صاحب .... سلام مسنون

کل شام مفتی شوکت علی صاحب بمبئی سے ملاقات ہوگئی۔ عزیزم بڑی محبت وعقیدت کے ساتھ میرے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ جامعہ حسینیہ کا تذکرہ قدم قدم پر کرتے ہیں۔ مجھے یہاں مکہ کی مشہور مارکیٹ جسے "شر کہ مکہ" کہتے ہیں (یعنی مکہ کی اعلیٰ ترین کمپنی ہے) لے گئے۔ یہ بازار در اصل زمانہ قدیم میں حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے مکانات تھے۔ جو حرم شریف پہ غالباً وقف ہو گئے تھے۔ یہاں کی حکومت نے ان دونوں خلفاء کے نام سے "مسجد عمرؓ اور مسجد ابوبکرؓ" بنانے کے وعدہ پر یہ زمین حاصل کرلی۔ اور پہلی منزل اسی طرح دوسری تیسری منزلیں دکانوں میں صرف کر ڈالی۔ چوتھی منزل پر مسجد بنوائی۔ یہ مسجد ملحق بحرم شریف ہے۔ اسی امام کی اقتداء میں یہاں نماز ہوتی ہے۔ کل نماز مغرب اسی مسجد میں پڑھی گئی۔ اس طرح کی مسجد میں نے اب تک کہیں نہیں دیکھی۔ پوری مسجد ایئر کنڈیشن فرش کی قالین رفرف خضر و عبقری حسان اتنی عمدہ اور خوشنما، منجھر ہر رنگ برنگ کی قالینیں۔ میں اپنے آپ کو اس دنیا سے ماوراء تصور

کرتا تھا۔ بھائی شوکت علی نے بتلایا کہ پانچویں چھٹی منزلوں پر عالیشان ہوٹل ہیں۔ جس کے ایک کمرہ کا کرایہ یومیہ ایک لاکھ دس ہزار روپے ہے۔ کتنے کمرے ہیں!! ان کا کرایہ کتنا ہوگا!! میرا سر چکرا گیا۔ یہی مکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا جن کے کپڑوں میں ایک دو نہیں بارہ بارہ پیوند لگے رہتے تھے۔ جن کی تاکید تھی اپنی حکومت کے عمال کو کہ موٹا پہنو۔ موٹا اناج کھاؤ۔ نازک مزاج نہ بنو۔ پیدل چلنے کی عادت ڈالو۔ تیر اندازی اور تیراکی سیکھو۔ افسوس! اب مسلمانوں نے خاص طور پر عربوں نے جفاکشی ترک کردی ہے۔ علامہ اقبال نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ

مسجد سے اوپر نیچے جانے کیلئے مختلف الانواع زینے، لفٹ سیڑھی نما اور گول، شکل کیپسول تھے۔

خدا ہی جانے ہم دونوں کہاں تھے
کہ چکر میں زمین و آسماں تھے

میں دیکھتا کم اور سوچتا زیادہ رہا۔ میرے ساتھی جلدی جلدی ان حسین وجمیل مناظر سے سرسری طور پر گزرنے کے خواہاں تھے۔ ''وقت تنگ ست کار ما بسیار'' ایک بہترین خوشنما قالین پر بیت اللہ شریف کا نقشہ بنا ہوا دیکھا،

جس کا طول ۲½ فٹ عرض ۲½ فٹ تھا اس پر قیمت درج تھی پچاسی ہزار ریال یعنی دس لاکھ روپے۔ میں خیال کرتا رہا کہ اس کے ارد گرد طواف کر نے والوں کا ہجوم کس قدر دیدہ زیب ہے۔ حضرت ابراہیم کی دعا یاد آئی، رب اجعل ھذا بلدا آمنا۔ حکم خداوندی کی گہرائی میں غرق تھا۔ وطہر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود بھائی شوکت نے کہا، حضرت رسول کریم ﷺ کی آمد سے پہلے تین سو ساٹھ بت اس میں رکھے ہوئے تھے۔ اس نمائش گاہ میں طرح طرح کی اشیاء سے سرسری طور پر گزر رہا ہوں۔ مثلاً ایک شیشے کا گلاب کا پھول دیکھا، جس پر قیمت درج تھی چھ سو بانوے (۶۹۲) ریال۔ ایک چائے کا زرے دیکھا جس کی قیمت بیس سو چھیالیس (۲۰۴۶) تھی۔ کپڑا لٹکانے کی کھونٹی دیکھی جس کی قیمت چار ہزار پچاسی (۴۰۸۵) ریال تھی۔ اور اس میں تین ہی کھونٹی تھی۔ ایک دور وہ تھا کہ مینوں چولھا نہ جلتا تھا، اور اسی مکہ میں ایسی ایسی دکانیں ہیں۔ ایک شیشے کے فریم میں چاند کا نقشہ بنا ہوا دیکھا جس کی قیمت چار ہزار تین سو (۴۳۰۰) ریال لکھی تھی۔ ایک صابن دانی نظر سے گزری جس کی مالیت نو سو چھ (۹۰۶) ریال رعایتی قیمت تھی۔ ایک کپڑا دیکھا، جس کی قیمت بارہ سو (۱۲۰۰) ریال یعنی پندرہ ہزار روپے میٹر۔ کون انھیں استعمال کرے گا؟! ایک دیوار گھڑی دیکھنے کو ملی جس کا طول و عرض ۲½ فٹ ۲½ تھا جس کی قیمت (۶۱۶۹) ریال تھی۔ یعنی پچھتر ہزار روپے ہوئے۔ چائے کا ایک کپ دیکھا گیا جسکی قیمت بیس (۲۰) ریال فی کپ تھی۔ یعنی ایک کپ

نیائی سو روپے کا۔ میرا دماغ ان اشیاء سے اوب گیا۔ سر چکرایا۔ کیا ساری دنیا کی دولت یہاں سمٹ آئی ہے؟۔ ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے۔ کہاں وہ دور تھا کہ صحابہ کرام بھوک سے پریشان ہو کر زمین پہ لیٹے رہتے۔ کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ مجمع میں ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ کر کسی قدر پردہ کر لیتے۔ کہاں کفن تک کا انتظام نہیں تھا۔ سر ڈھانکو تو پیر کھلے، پیر ڈھانکو تو سر۔ لاشعوری طور پر میری زبان سے ایک آہ نکلی اور میں اسی جگہ بیٹھ گیا۔ سر نیچے کر کے چند قطرے آنسوؤں کے گرائے۔ زندگی کے نشیب و فراز پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرار حیات
یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا

میرے ساتھی ہیرے جواہرات کی دکانیں کھنگالتے رہے مگر میں خیر القرون کے ان آنسوؤں کو ڈھونڈتا رہا جن کی ٹھنڈک جہنم کی آگ بجھا دے۔

وہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے

الغرض آج بعد مغرب کا وقت انہیں تفریحات میں ضائع ہوا جسے دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ سچ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حب الدنیا راس کل خطیئة اللہ تعالیٰ دنیا کی محبت دلوں سے نکال کر آخرت کی فکر پیدا فرمائے (آمین)! موسم حج میں پوری دنیا کے مسلمان پروانوں کے مثل اس شمع فروزاں کے اردگرد چکر لگاتے ہیں، اور ہر ایک دوسرے

سے پہلے فدا ہو جانے کا خواہاں رہتا ہے۔

ع میں پروانہ ہوں مجھ کو فقط جلنے سے مطلب ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے۔ دونوں باپ بیٹے نے کس اخلاص کے ساتھ مل کر دعا فرمائی تھی

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم

میں چاہِ زمزم کے پاس کھڑا ہوں، پینے والوں کا تانتا بندھا ہے۔ ازدحام کثیر ہے۔ لوگ خوب سیراب ہوتے ہیں۔ دنیا میں وہ پانی کہاں نہیں پہونچا؟ اس طفل شیر خوار کا ایڑیاں رگڑنا اور رحمت ایزدی کا جوش میں آنا۔ اس پانی میں ہر طرح کی طاقت، دوا، من، اور برکتیں بھری ہیں۔ بھوک پیاس، دوا علاج سب میں کام آئے۔ لوگ برکت کے لئے اپنے سر، آنکھ، بدن پر ملتے ہیں۔ حقیقت ان کی قابل دید بلکہ لائق تقلید تھی نصف ساعت اسی میں گزر گئے۔ رات کے گیارہ بجے حرم شریف کے اندر سے آنے کا ارادہ کیا۔ سارا حرم گھوم رہا ہے۔ مجمع اسی قدر ہے۔ پوری دنیا گول ہے، پوری دنیا حرم کا چکر لگا رہی ہے۔ گویا پوری دنیا یہی حرم شریف ہے۔ محبوب کی یاد کے سوا دنیا بیکار ہے۔

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست
جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

بہر کیف ابدقت تمام ایک دروازہ سے نکلا، اپنی عادت کے مطابق

ہر کتبے کو پڑھتا ہوں۔ اس گیٹ پہ لکھا ہوا دیکھا "باب ارقم" میں سوچ کے سمندر میں غوطہ لگانے لگا۔ یہ دار ارقم اسی دور کی یادگار ہے۔ جس گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دین کی ابتدائی بنیادی باتیں بتاتے سکھاتے رہے۔ دعوت کے کاموں کی سرگزشت سنتے رہے۔ مسلمانوں کی مظلومیت پر انہیں دلاسا اور تسلی دیتے رہے۔ اسی جگہ کل رات جو پنجشنبہ کی رات تھی انتالیس ۳۹ آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر بھی عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ آخر کار رات کے پچھلے پہر سرور کونین رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی تھی اللھم اید الاسلام باحد من العمرین

ع، اجابت از در حق بہر استقبال می آید

قد اجیبت۔ صبح کو حضرت عمر جو ابھی حضرت عمر نہیں ہوئے تھے، وہ ابھی تک عمر بن خطاب تھے۔ بہت طاقتور، بہادر، غیرت مند، با اصول، مگر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ارادہ کرتے ہیں کہ اس مدعی نبوت کا خاتمہ کر دوں۔ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" ننگی تلوار لئے دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے، ایک مسلمان نے بھانپ لیا۔ خدا خیر کرے اس سیلاب کا رخ موڑنا بہت ضروری ہے، مگر اتنا ہی مشکل بھی۔ پوچھا کہ عمر کہاں چلے؟ کہا کہ محمد کو قتل کرنے۔ کہا تمہاری بہن اور تمہارے بہنوئی بھی تو مسلمان ہو گئے، پہلے اپنے گھر کی خبر لو، بعد میں ان کا جو کرنا ہو کرنا۔ واپس آ کر بہن بہنوئی کو خوب زدوکوب کیا۔ بہنوئی کے بچانے میں بہن کے زخموں سے

خون بہا تھا کہ ادھر دریائے رحمت جوش میں آیا۔ عمر کی غیرت نے ان کا ہاتھ روکا۔ ادھر بہن نے ایک جملہ کہا جس سے پتھر دل بھی موم ہو جائے۔ ''عمر میں تمہاری مار سے اسلام نہیں چھوڑ سکتی۔ جس باپ کے بیٹے تم ہو اسی خطاب کی بیٹی میں ہوں۔ اسی خون سے میری رگوں میں حرارت ہے۔ جس خون کی گرمی تمہارے اندر ہے۔ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' اب علی الاعلان کہتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ اور فخر کے ساتھ اس کا چرچا کرتی ہوں''۔ عمر کا ہاتھ رک جاتا ہے۔ اچھا لاؤ مجھے بھی وہ کلام دکھلاؤ جسے تم دونوں پڑھتے پڑھاتے تھے۔

بہن بولی بغیر غسل اس کو چھو نہیں سکتے
یہ سن کر اور حیرت چھا گئی منہ رہ گئے تکتے
اٹھے اور غسل کر کے لے لیا قرآن ہاتھوں میں
بھلی ساعت تھی آئی دولتِ ایمان ہاتھوں میں

اسی گیٹ پر کھڑا میں چودہ سو برس پہلے پلٹ آیا۔ اف! وہ دور تھا خیر القرون کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان جگہوں پہ کہاں کہاں گئے ہوں گے چلے ہوں گے۔ جی چاہتا ہے کہ ذروں کا بوسہ لوں۔ آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔

ہمیں تو خاک ہی کافی ہے ان کے کوچے کی
اسی کو سرمہ بنائیں گے اپنی آنکھوں کا

ماضی اور حال میں کوئی نسبت نہیں معلوم ہوتی۔ بحمد اللہ دارارقم کی نسبت

سے وہاں بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ تحفیظ القرآن کے نام سے چل رہا ہے۔ عصر کے بعد سے مغرب تک یہی داستان لکھ رہا تھا کہ اذان مغرب پر بند کر دیا۔ نماز مغرب میں میرا تصور یہ کہہ رہا تھا کہ امام صاحب شاید سورہ فیل کی تلاوت فرمائیں۔ ہوا ایسا ہی، اصحاب فیل کا واقعہ، ابرہہ اور اس کے ساتھیوں اور ہاتھیوں کا حشر، نگاہوں کے سامنے تھا۔ مبسوط وجی میں اچھی آواز کے ساتھ سوز و گداز اور لحن داؤدی میں قرآن کی تلاوت، دل میں عجب کیف وسرور تھا۔ جسے احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

تحریر میں آتی ہے کہاں کیفیت دل کی
محسوس جو ہوتا ہے بتایا نہیں جاتا

میرا معمول تو عام طور پر یہی ہے کہ مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کے بعد اپنی قیام گاہ آتا ہوں۔ اسی پہ بس کرتا ہوں۔ فقط والسلام

دوشنبہ ۱۷ رذی الحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۲ رمارچ ۲۰۰۱ء

محترم قاری صاحب .... سلام مسنون

آج کوئی بھی حکایت ذہن میں نہ آئی تو کچھ شکایت لکھنے کا ارادہ کرلیا۔ محترم امان اللہ بھائی تین روز سے نزلہ وزکام میں مبتلا ہیں۔ اپنا حال بھی کسی قدر ماحول سے متاثر ہے۔ حلق میں تکلیف تھی۔ آواز بھرائی اور بیٹھی ہوئی ہے۔ پرہیز کیا کریں؟ ہر طرح کے پھل فروٹ یہاں دستیاب ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا وارزقھم من الثمرات کا ثمرہ ہے کہ مختلف انواع واقسام کے پھل دنیا جہاں سے چلے آرہے ہیں۔ کہاں پیدا ہوا کہاں چلا آیا؟ آم کا رس فروٹین (Fruiteen) کی شکل میں ہمیشہ یہاں ملتا ہے۔ اور بھی اشیا کی فراوانی ہے۔ لوگ استعمال کرتے ہیں۔ ہم لوگ بھی انسان ہیں کم بھی کریں تب بھی احتیاط کیونکر ہو؟ دنیا دار الاسباب ہے، ہم لوگ مولوی ہوتے ہوئے بھی انھیں اشیاء کو موثر کردیتے ہیں۔

ہمارے ساتھی تبلیغی آدمی ہیں شرع کے پابند ہیں مسئلہ مسائل کی معلومات خاصی رکھتے ہیں۔ دعوت کا کام یہاں بھی وقتاً فوقتاً جاری رکھتے ہیں مجھے ان سے بحمد اللہ بہت مدد ملی۔ میرے کھانے پینے کا انتظام انہیں سے متعلق رہتا ہے۔ میں بالکل آزاد رہتا ہوں وہ میری فکر رکھتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی اپنے خاص مشن میں حد اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔ چونکہ ان حضرات کو علم کی

چاشنی نہیں ملی یا غلط سلط لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جب تو یہ مدارس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ایک دکانداری تصور کرتے ہیں۔ گویا دس سال کی تعلیم ہماری برائے مطبخ تھی۔ اور چالیس سال کی تدریس برائے تنخواہ ہے۔ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کون کیسا ہے۔ فلا رفث و لا فسوق ولا جدال فی الحج اسی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ اپنے حج کے ساتھیوں سے جھگڑنا نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جیسا رفیقِ سفر دیا ہے ان کے ساتھ نباہ کرتا ہوں۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

وہ سبزی خور ہیں میں گوشت خور، وہ بازار کے دکاندار ہیں میں مسجد کا ملا۔ ان کے پاس جو کچھ ہے اس کا پرچار کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اور میں خاموش۔ گویا کچھ بھی میرے پاس نہیں۔ اس سفر سے پہلے میں ان سے ناواقف، وہ مجھ سے ناآشنا۔ ہاں قاری نیاز احمد اور حافظ کتاب اللہ صاحب سے خصوصی تعلق اور گہرا ربط رکھتے ہیں۔ کوشش کرتا ہوں کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ خدمتِ خلق سے خدا ملتا ہے۔ عبادت سے جنت۔ افسوس اس خدمت کی بھی عادت نہیں رہی۔ مدرسہ والوں نے ہمیں ہر جگہ مخدوم ہی رکھا۔

غمِ ماندگی شرمِ گنہ بیتابیٔ ہجراں
یہ سارا قافلہ منزل بہ منزل لے کے آیا ہوں

رفیق محترم شاید مجھ سے خدمت کے خواہاں تھے۔ اسی بنیاد پر کچھ زیادہ قربت نہیں رکھتے۔ انسان جب کسی غیر سے بیجا امید اور توقع رکھے گا تو ایک دن اسے ایسا بھی دیکھنا پڑیگا کہ اسے کلفت ہوگی۔ اپنا حال تو شروع سے یہ رہا کہ میری ذات سے کسی کو ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اگر میں کسی کا بھلا نہ کر سکا، تو کم از کم برا بھی نہ چاہوں۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیانہ کسی شاخ گل پہ بار نہ ہو

میں اپنی افتاد طبع سے اکثر شرمندہ ہوتا ہوں۔ کسی غلطی کو بلا تاویل تسلیم کر لینا میرا خصوصی شعار ہے۔ اکثر جھگڑے اسی سے ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ جوہر اب کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ ہر شخص گفتگو کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنا کمال سمجھتا ہے۔ نفس کی باریک چالوں سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ جہالت کے ساتھ اگر عبادت کرتے ہیں تو خطرہ یہ رہتا ہے کہ شیطان کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بن جائیں۔ انھیں جیسے جہلاء کے مطالعہ میں اگر بلعم بن باعوراء کا واقعہ نظر سے گزرتا ہے تو علم ہی سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب تو یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے بچے کو عالم نہ بنائے۔ افسوس صد افسوس!!

سر انجام جاہل جہنم بود
کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

اس سفر حج میں مجھے جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے تمام ہی فتنے اور

جھگڑے اور فسادات واضح طور پر سامنے آئے۔ خیر القرون سے جتنی دوری ہوتی جا رہی ہے علم نبوت کی روشنی مدھم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں مسلمانوں کا اجتماع ہے۔ کوئی غیر مسلم نہیں۔ مگر ہر جگہ دھکم دھکا، تدافع، تمانع، کشاکش۔ وہ کہاں گئے؟ ویوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ اپنا حال یہ ہے کہ پیٹ بھرا ہے، ذرام بھرا ہے، بنک بھرا ہے، پھر بھی دوسرے کو دھکیل کر ھل من مزید کے اسٹیشن پر پہلے پہنچتا ہے۔ یہ سب جہالت اور ناخواندگی کے کرشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اور اپنی مرضیات کے کاموں کی توفیق دے۔ (آمین)

واللہِ لولا اللہ ما اھتدینا ☆ ولا تصدقنا ولا صلینا

ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

واللہ الموفق لکل خیر

جمعہ ۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم قاری صاحب .... سلام مسنون

المستخیر مع الخیر و العافیۃ

کئی دن سے لکھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اپنی سستی اور رفیق سفر کی علالت اور ان کے مبتلائے نزلہ وزکام ہونے کی وجہ سے تنہا کہیں جانا نہ ہونے کی باعث کوئی بات ذہن میں نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ بھانت بھانت کے لوگوں کا اجتماع ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ احسن الخالقین ہے۔ سات فٹ کے انسان بھی بنائے اور ساڑھے تین فٹ کے بھی۔ کالے، خوب کالے، کوئلہ سے بھی زیادہ۔ اور سفید، گورے، خوب گورے، دودھ سے بھی زیادہ۔ بگلا بھگت کہیے۔ .... رنگت اور جسامت ہی نہیں، ہر ایک کی زبان مختلف، کوئی بھی دوسرے ملک کی زبان کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ رب العزت سب کی سنتا ہے۔ آج جمعہ کا دن ہے۔ حرم شریف میں دو گھنٹے پہلے جانے پر بھی باہر کسی قدر جگہ مل جاتی ہے۔ آدمیوں کے سمندر میں قدرے جزر آ رہا ہے۔ یعنی لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے ہیں۔ اس ہفتہ انشاء اللہ طواف وسعی وغیرہ کا موقع مل سکتا ہے۔ ورنہ مجھ جیسے کمزور کے لئے کسی کو دھکا دیکر، یا پھاند کر پہونچنا کار ثواب

نہیں بلکہ وبالِ جان ہے۔ لوگ سروں پر سے پچاندکر گزرنے کو نیکی تصور کرتے ہیں۔ تین جمعہ یہاں پڑھا۔ پہلے جمعہ میں امام حرم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بنائے کعبہ کا ذکر موثر انداز میں کیا۔ موقع موقع سے آیات بھی پڑھتے رہے۔ دوسرے جمعہ میں حجاج کرام کو پند و نصائح سے نوازا، کہ حج سے واپسی پر آپ کی زندگی میں نمایاں تبدیلی اور انقلاب آنا چاہئے۔ آج تیسرے جمعہ میں قد نری تقلب وجهك في السماء والی آیت تلاوت کر کے مطلب معنی اور تفسیر تفصیل سے بیان فرمائی۔ یعنی گھروں کو واپس جانے کے بعد بھی آپ کی توجہ مسجد حرام کی طرف رہے۔ آپ جہاں جس حال میں ہوں، رات دن، سوتے جاگتے، سفر حضر، مقیم و مسافر ہوں اس قبلہ و کعبہ کو اپنے دل میں بسائے رہیں۔

دنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں یہ پاسباں ہمارا

دوسرے خطبہ میں احسان اور اخلاص پر خطیب نے زور دیا۔ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بہت ہے۔ اور ریا کاری کے ساتھ زیادہ عمل بھی کالعدم ہے۔ عربی زبان کی شیرینی اور امام جمعہ کی فصاحت و بلاغت کا عجیب اثر دل و دماغ پر چھایا رہا۔ دھوپ میں بھی لوگوں کا ہجوم اور اژدحام قابل دید بلکہ لائق تقلید ہے۔ حرم کے پتھر بھی عجیب ہیں، دن رات ان کی ٹھنڈک نہیں جاتی۔ سجدہ سے سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کے گناہ گار ہوں میں

شام کے وقت خنکی بڑھ جاتی ہے۔ بادِ نسیم کے جھونکے دل و دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ
اسی مصرعہ پہ یہ خط ختم کرتا ہوں۔ فقط والسلام

پنجشنبہ ۲۷ رذی الحجہ ۱۴۲۱ھ ۲۲ / مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم قاری صاحب زید مجدکم .... سلام مسنون

کئی دن سے کچھ لکھنے کی نوبت نہ آسکی۔ یہاں کے قیمتی اوقات ذکر وتلاوت میں صرف ہونے چاہئیں۔ بلکہ ایک ایک سکنڈ کی قدر کرنی چاہئے۔ مگر میں اپنی افتاد طبع کی وجہ سے جب پڑھنے سے اکتا جاتا ہوں تو کچھ لکھنے لگتا ہوں۔ یہاں کے صبح وشام زندگی بھر یاد رہیں گے۔ دن رات کی نمازیں اس طرح حرم شریف میں ادا ہوتی ہیں کہ کعبہ شریف نگاہوں کے سامنے ہے۔ میری آنکھیں جو نہر زبیدہ کی طرح خشک تھیں، پچاس سال سے ان میں آنسوؤں کی ایک بوند بھی نہیں معلوم ہوتی تھی، اب چاہ زمزم کی طرح اس کا پانی تھمتا نہیں۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے گرے جو میرے عرق انفعال کے

خدا کرے یہ چند قطرے میرے کام آئیں۔

کون روتا ہے کسی غیر کی خاطر اے دوست
سب کو اپنی ہی کسی بات پہ رونا آیا
بات نکلی تو پھر ہر بات پہ رونا آیا

جی چاہتا ہے روتا رہوں۔ ؎

ہم اپنے آنسوؤں سے ہی لگی دل کی بجھاتے ہیں
خدایا تیز تر کر دے مرے اشکوں کے دھاروں کو

حرم شریف سے اگرچہ قدرے دور ہوں، مگر قدم قدم پر محبوب کی طرف بڑھنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام مسجد تک جانے میں چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے۔ ؎

نہ دوری دلیل صبوری بود
کہ بسیار دوری ضروری بود

مکہ شریف آئے ہوئے لگ بھگ ایک ماہ ہو رہے ہیں۔ چند روز میں یہاں سے روانگی کا حکم ہو جائے گا۔ ساٹھ سال کا گنہ گار تیس دن میں کیا روئے گا؟۔ لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ قیمتی کپڑوں میں ملبوس، بازاروں میں سیر و تفریح کرتے ہیں۔ سامان کی خرید و فروخت زوروں پر ہے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، زندگی کے لوازمات میں سارا وقت گنوا دیتے ہیں۔ بچوں کے کھلونے خوب بکتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں میرے بھی بچے ہیں، مگر ان سے میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہاں سے کچھ نہ لاؤں گا۔ میں پہلے ہی سے بازار کے کام کا نہیں تھا۔ اب یہاں کیا بازار کروں؟ رات دن حرم شریف میں طواف کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ پرسوں رات ایک بجے طواف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ لبلبا کھارہا۔ ؎

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

یہاں کی شام اور اس کی بھینی بھینی خوشبو اب چند روز میں خواب ہو جائے گی۔ حرم شریف سے جدائی کا تصور خون کے آنسو رلاتا ہے۔ حرم شریف کے کبوتر کتنے خوش نصیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سفر کو اپنی مرضیات کے کاموں میں شامل فرمائے۔ اور نیک بندوں کے حج کے ساتھ اس سیہ کار کی حاضری کو بھی قبول فرمائے۔ شاید یکم محرم ۱۴۲۲ھ تک مدینہ منورہ جانے کو ملے۔ وہاں کی حاضری کی طرف سے بھی ذہنی تشویش اور اپنی بے مائیگی کا احساس دامن گیر ہے۔ غالب نے کہا ہے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اپنی سابق زندگی پر رونا آتا ہے۔ کس منہ سے آپ کے روبرو ہوں گا۔ دل میں جو خلش ہے اسے تحریر میں نہیں لا سکتا۔

ع دل کا دریا نطق کی وادی سے بہہ سکتا نہیں

فسهل يا الهی کل صعب ☆ بحرمة سيد الابرار سهل
يارب صل و سلم دائماً ابداً ☆ على حبيك خير الخلق كلهم

عزیزم! وہ کافر منہ سے اب تک نہ چھوٹی شرم اس سے ہے۔

ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے وہ کافر لگی ہوئی

اگلے خط تک کے لئے اجازت دیجئے فقط والسلام

شنبہ ۳؍محرم ۱۴۲۲ھ ۲۸؍مارچ ۲۰۰۱ء

عزیزم قاری صاحب .... سلام مسنون

عافیت خواہ بعافیت ہے۔

پرسوں رات بارہ بجے مدینہ منورہ آگیا۔ راستہ میں حجاج کرام والہانہ اشعار گنگناتے رہے۔ کچھ لوگ زور زور سے درود شریف کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔ میرے ذہن کی کیفیت عجیب تھی۔ کبھی تو خوشی ہوتی، کبھی پژمردگی چھاجاتی۔ تولہ ماشہ رتی کا دماغ ملا ہے۔ آپ خبطی کہیں گے قوت فیصلہ کی کمزوری کا نام دیںگے۔

> ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
> خود ہماری خبر نہیں ہوتی

بالکل سچا ہے آج ۔

> پہونچ جائیں مکہ سے جب ہم مدینے
> تو خود کو نہ پائیں یہ جی چاہتا ہے

کی برسوں پرانی تمنا پوری ہوئی۔ ساڑھے چار سو کلومیٹر کا سفر آسانی سے طے ہوگیا۔ راستہ میں عصر مغرب عشاء پڑھی گئی۔

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے

جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

مدینہ منورہ سراپا نوری نور ہے۔ لقد جاء کم من اللہ نور بک اللہ نور السموت والارض کا زینہ ہے۔ کل چار بجے حرم نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری ہوئی۔ نوافل و فرائض سے فرصت ملنے پر سات بجے مواجہ شریف میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ اور تمام حضرات اساتذۂ کرام کے سلام کا فرض جو میرے ذمہ تھا اسے بھی بحمد اللہ ادا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے! سات بجے حرم نبوی سے نکلا تو راستہ گم ہو گیا، بلکہ میں گم ہو گیا۔ راستہ کہاں گم ہوتا ہے؟ یہاں کی راہ تو وہی ہے جس کے ذرات کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے۔ علامہ اقبال کا شعر یاد آ گیا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

بہر کیف دو گھنٹے مسلسل مدینہ کی گلیوں کا چکر لگاتا رہا۔ اور ذہن میں وہ شعر بار بار آیا جو حضرت صدیق اکبرؓ ہجرت کے ابتدائی ایام میں مبتلائے بخار ہونے پر وطن کی جدائی اور موت کے تصور سے لبریز اشعار پڑھتے تھے۔

کل امرءٍ مصبح فی اھلہ

والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

الغرض یہی تصور لئے میں حیران و پریشان تھا۔ ایک ماہ مکہ مکرمہ میں بہت آرام سے گزرا۔ طواف اور سعی میں تو گم کرتا، لوگوں کو دیکھتا، حسرت

کرتا۔ انڈونیشیائی عورتوں کا جذبہ حج و زیارت دیکھتا۔ ہر طرف ان کی بھیڑ ہے۔ ایک حبشی کو دیکھا کہ اپنی انڈونیشیائی بیوی کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ معاً یہ خیال آیا کہ رنگ موسیٰ اور رنگ مریمؑ وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً کا نمونہ ہے۔ عزیزم امیر افلسفہ میرے کام نہ آیا۔ حرم میں کنارے بیٹھ کر یہ سوچتا ہوں کہ طواف حرکتِ مستدیرہ ہے۔ اور سعی حرکتِ مستقیمہ۔ لوگ نیکی کما رہے ہیں۔ اور میں

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت بر کنار است

کر کر کسی عافیت کے گوشے میں مصروفِ تلاوت ہوں۔ مکہ کیا چھوٹا، گویا اپنا وطن چھوٹا۔ وہاں سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ پرسوں سے مدینہ آ گیا ہوں۔ کل دن بھر ڈر کے مارے حرم سے نہ نکلا۔ کسی بھی تین راہے چوراہے پر لاکھ نشانیاں دیکھ کر جاؤ۔ دماغ کام نہیں کرتا۔ علم و عقل، حکمت و فلسفہ سب بیکار۔ مشکل ہے مشکل جملوں کی نحوی ترکیب، صرفی تحقیق آسان ہے، مگر ان گلیوں کو کیا کہوں؟ آیاتِ متشابہات ہیں۔ "اللہ اعلم بمرادہ بذلک" روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہوتی ہیں۔ ظاہری روشنی، باطنی روشنی، ظاہر پرست ظاہر دیکھیں، باطن والے باطن۔ میں کہیں کا نہ رہ گیا۔ اعراف میں بیٹھا دونوں مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ حرم نبوی کے آس پاس ہیرے جواہرات، سونے چاندی کی دکانیں بیشمار ہیں۔ جیسے جونپور کی سبزی منڈی۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کے گاہکوں کو بلاتے ہیں۔ مرچ، دھنیاں، سویا۔ اسی طرح

یہاں "مرحبا" "اھلاً وسہلاً" "حج مبارک" "حج مبرور" "سعی مشکور" "تسر حکم تسرحیا حارا" "حاجی حاجی السلام علیکم" "انڈین پاکستانی آپ تشریف لائیے"۔ عصر کے بعد مجھے چائے کی شدید حاجت تھی۔ تلاش بسیار کے بعد ایک دکان ملی۔ ہم غریب لوگ ایک ریال کی چائے کو بارہ روپے کی کہتے ہیں۔ اور یہاں تقریباً ناشتہ دس ریال کا ہوتا ہے۔ جو انڈین حساب سے سو اسو روپے ہو نگے۔ روپے کی فراوانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آیا کہ میری امت کا فتنہ مال ہے۔ ہمارے ایک ساتھی کے شکم میں ہلکا ہلکا درد ہوا، دوا کے لئے ایک دکان پر گیا، معمولی دوا مانگی جو نو ریال کی تھی۔ میں نے "ایک تو اسے زائد کی دوا ہے" کہا، دوکاندار اردو جانتا تھا، ہنسنے لگا۔ کہا کہ پیسے نہ ہوں تو مفت لے جاؤ۔ میں نے سات ریال دیئے، مزید دو ریال کی دعا دے دیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ عزیزم! اب تو حج امیروں کے لئے خاص ہو گیا۔ کھانا لینے گیا، "پانچ ریال" "دس ریال" میں نے کہا "تین ریال کی سبزی دال دے دو" دوکاندار ہنسنے لگا۔ دیا لیکن حقارت کے ساتھ۔ صبح سویرے چائے کی خواہش ہوئی۔ چائے خانہ پہنچا تو اکثر جوڑوں کو مرغ وکباب کا ناشتہ کرتے دیکھا۔ پچیس تیس ریال کوئی بات نہیں۔ میں نے ایک چائے لی۔ خاموش ایک کونے میں پاکستانی جوڑوں کی گفتگو سننے لگا (حج کا مزہ صحیح معنی میں اس وقت ملتا ہے جب رفیقۂ حیات رفیق سفر ہو) مکہ معظمہ میں بھی ہماری بلڈنگ میں سینکڑوں تھے، مگر ہم دو کے علاوہ سب شادی شدہ تھے۔ اور یہاں بھی کل سے یہی مناظر دیکھ رہا ہوں کہ پکاری بے کھارے ہیں۔ ذجل

رہی ہیں، نہا رہے ہیں۔ میں ایک مرتبہ وضو کے لئے ایک باتھ روم کے باہر کھڑا تھا، اور وہ نہاتی دھوتی رہ گئی۔ میرا سارا وقت خاموش تماشے میں گزر گیا۔ پردہ خود کرتا ہوں۔ انھیں کیا پڑی ہے؟ آج ڈاکٹر عبد السلام صاحب کا یہ جملہ یاد آ گیا" یہ دونوں اصحاب غیر شادی شدہ ہیں" نیا زمانہ ہے، نیا فیشن ہے، حضرت الاستاد مفتی محمد یٰسین صاحبؒ مبارکپوریؒ نے ہدایہ اولین کے سبق میں ایک دن فرمایا کہ حج کرنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں، پہلا طبقہ اللہ والوں کا، دوسرا طبقہ تاجروں کا، تیسرا طبقہ سیر و سیاحت والوں کا
سیر و سیاحت کے عنوان سے عبادت و ریاضت کیا ہوگی؟ میں تو علامہ شفیق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

شراب عصر نو میں بے خودی ہے نے خودی ساقی
جو تو نے آج سے پہلے پلائی تھی وہی دے

"لا یصدعون عنها ولا ینزفون" نہ سر میں درد ہو نہ بہکیں۔ بحمد اللہ حرم نبوی میں بیٹھ کر ایک منزل کی تلاوت اور صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنی قیام گاہ خود آ گیا۔ مکمل بشاشت اور انشراح کے ساتھ آپ سے گفتگو کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ یہاں کے اوقات بھی اعمال خیر میں گزارنے کی توفیق دے۔ یہ موسم، یہ سیزن، یہ بازار، نیکی کمانے کا ہے۔ جنت کی کیاری میں دن رات لوگ پروانوں کی طرح گر رہے ہیں۔ مجھ جیسا کم ہمت کون ہوگا؟ قریب جاتا ہوں، دھکے کھاتا ہوں، پلٹ آتا ہوں۔ دوبارہ ہمت نہیں کرتا۔ کیا ایک چیونٹی سے بھی کمزور ہوں؟ وخلق الانسان ضعیفا کیا میں ہی ایک انسان ہوں؟ یہ جو دھکا دیکر آگے بڑھتے ہیں وہ بھی تو انسان کی طرح لگتے ہیں۔ مگر شاید انسانیت کی

کی ہے، علم کی کمی ہے، عقل کی کمی ہے۔ایذائے مسلم کے ساتھ نیکی کمانا" نیکی برباد گناہ لازم ہے"۔آٹھ آنے کا تانا، آٹھ آنے کا بانا، بارہ آنے کا بکانا۔چار آنے منافع ہوئے"۔لیکن کھوپڑی جس کی ہو وہ آگے آئے۔یہاں تو آمد و صرف کا حساب ہر دم سامنے رہتا ہے۔اسی لئے نیکیوں کی کمائی کم ہوتی ہے۔
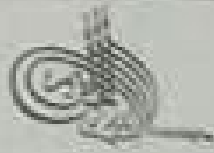
۵؍محرم ۱۴۲۲ھ ۳؍مارچ ۲۰۰۱ء

﴿مدینہ منورہ جمعہ کی شام﴾

عزیز گرامی قدر حضرت قاری صاحب .... سلام مسنون

ع دن زندگی کے ختم ہوئے شام ہوگئی

اس سے پہلے تین جمعہ مکہ معظمہ میں گزرے۔ اس کے خطبہ کی تفصیل لکھ چکا ہوں۔ آخری جمعہ میں خطیب نے قلم اور کتابت وخوشخطی اور خواندگی سے متعلق بہت دردانگیز ہرقت آمیز خطبہ پیش کیا۔ "سورہ القلم" سے خطبہ شروع کیا۔ خیر القرون میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کے لئے تاکید فرمائی۔ تاکہ دین کے اہم امور میں ان کی جعل سازی اور دسیسہ کاری پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔ "العلم صید والکتابۃ قید" علم دن بدن کم ہوتا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے لکھنا پڑھنا کم کردیا ہے۔ تسبیحات پر گزارا ہوتا ہے۔ ہر مرض کا علاج درود شریف سے کرنا آسان ہے۔ چونمبروں میں دین منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ فیا للعجب! خطیب نے نصف گھنٹہ اتنی تفصیل کے ساتھ عربی تقریر میں کتابت اور اس کے فوائد بتائے۔ جی چاہتا تھا کہ آپ ہوتے اور اسی وقت اس کا ترجمہ کرا لیتے تو بہت کارآمد ہوتا۔ آج کا جمعہ مدینہ منورہ میں پڑھا گیا۔ ماشاء اللہ! مسجد

نبوی کا جمالیات سے لبریز منظر، امام جمعہ کی پرسوز تقریر، خطبہ کیا تھا؟ دل نکال کر رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں پر جو مصیبت آتی ہے یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" حضرت آدم کا سجدہ فرشتوں سے کرایا گیا، مگر ایک غلطی کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے۔ حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں ڈالے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری؟ اس کے بعد آواز روندھ گئی ہچکی بندھ گئی، طائف اور بدر واحد کا واقعہ مختصر کہا۔ رونے لگے۔ اتنا روئے رلائے کہ رومال تولیہ تربتر ہو گئے۔ جیسے کسی کی ماں مرگئی ہو، جنازہ سامنے ہو۔ یا کسی کا پورا کنبہ لٹ گیا ہو، کچھ نہ بچا ہو۔ یا جیسے کسی کا سب کچھ لٹ چکا ہو، اور بے یار و مددگار بے کسی کی زندگی گزار رہا ہو۔ آنسو تھمتے نہ تھے۔ پورا خطبہ اتنا اثر انداز ہوا کہ تصور نہیں کر سکتا۔ شاید یہی آنسو جہنم کی دہکتی آگ بجھا سکیں۔ اگر قبول ہو گئے تو۔

دوشنبہ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ یکم اپریل ۲۰۰۱ء

صدیق مکرم، حبیب معظم، جناب قاری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دن گزرتے گئے رات کٹتی گئی وقت آخری آ گیا۔ اسی ہفتہ چہارشنبہ یا پنجشنبہ تک مدینہ سے بادل ناخواستہ نکلنا ہوگا۔ گنتی کے ایام ملے ہیں۔ یہاں گزارنے کیلئے حکومت کی طرف سے ہر حاجی کو ایک ہفتہ، بلکہ آٹھ دن چالیس نمازوں کا موقع دیا جاتا ہے۔ میں یہاں دوشنبہ کو آیا ہوں، آج بھی دوشنبہ ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی ہے۔ قلم نہیں چل رہا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہیں۔ دل گرفتہ چند سطریں لکھنے بیٹھ گیا۔

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا
جب کوئی محبوب سے مل کر جدا ہونے لگے

آپ ہندوستان میں اپریل فول (April Fool) مناتے ہوں گے۔ پہلی اپریل کو انگریزوں نے یہ رسم جاری کردی ہے کہ مذاق میں کسی کو دھوکہ دیتے ہیں۔ خوش طبعی تو شرعاً جائز ہے، مگر دھوکہ اور فریب اچھی چیز نہیں۔ من خادعنا فلیس منا فرمان نبویؐ ہے جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ آپ کی خوش طبعی کے لئے ایک واقعہ لکھتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ جدائی

کا غم ہلکا ہو۔ ورنہ

بہت غم خدا کی قسم ہو رہا ہے ☆ مدینے سے چھٹنا ستم ہو رہا ہے
تعرف ہوا درد دل پر یہ کس کا ☆ نہ لب بڑھ رہا ہے نہ کم ہو رہا ہے

جب میں گھوسی مرکزی دار العلوم محمدیہ میں مدرس تھا۔ غالباً ۱۹۸۷ء کا واقعہ ہوگا۔ ماسٹر عبد الوہاب صاحب پرائمری کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جمعرات کو گھر گئے، فتحپور تال رتوئے کے رہنے والے تھے۔ تہجد گزار تھے۔ بڑے مولانا یعنی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ کے مرید تھے۔ ان سے اس قسم کی توقع نہیں تھی کہ اپریل فول ہمارے ساتھ منائیں گے۔ شنبہ یکم اپریل ۱۹۸۷ء صبح سات بجے ایک آدمی کے ذریعہ ایک رقعہ بھیجا، جوان کے صاحبزادے محمد انیس سلمہٗ کا لکھا ہوا تھا، کہ انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ والد صاحب کو رات میں کسی اژدھے نے ڈس لیا۔ سحر کے وقت اس دار فانی سے عالم بقا کو چل دیئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ دس بجے دن میں تجہیز و تدفین عمل میں آئے گی، اطلاعاً عرض ہے۔ آپ مدرسہ میں طلبہ ومدرسین سے والد صاحب مرحوم کے لئے ایصال ثواب کرا دیں۔ خط ملتے ہی مدرسہ میں کہرام مچ گیا۔ صبح صبح یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے گھوسی میں پھیل گئی۔ ہم لوگ جیپ ریزرو کر کے فتح پور کیلئے روانہ ہو رہے تھے، جب کہ موجودہ لوگوں کو مسجد میں بٹھا دیئے کہ قرآن خوانی کریں۔ یکا یک ایک سرکاری بس سے ایک صاحب ہاتھ میں کپڑے کا جھولا لئے ہوئے

مدرسہ کے گیٹ پر گاڑی رکوا کر اترے۔ دور سے دیکھ کر میں نے اپنی جیپ رکوادی کہ یہ ماسٹر عبدالوہاب صاحب کی طرح کوئی صاحب اترے ہیں۔ شاید ان کے بھائی ہوں۔ ان سے پوری تفصیل ملے گی۔ آگے لپکا۔ وہ مسکراتے ہوئے سلام کئے۔ میں اپنی پلکیں ملنے لگا کہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ ہو بہو بعینہٖ ماسٹر عبدالوہاب صاحب اپنے تشخص کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمارہے ہیں۔ میں نے کہا "کیا ہوا"؟ بولے "کچھ نہیں، وہ تو اپریل فول ہے۔"

ع کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

خیر یہ خرافات چھوڑیے! "آمدم برسر مطلب" "غم غلط کرنے کیلئے یہ کہانی بطور مرہم لکھ دی گئی۔ پھر وہی، آج دوشنبہ ہے آٹھ دن ہو گئے۔ مسجد نبوی میں بیٹھا رو رہا ہوں۔ کمرہ پر جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ ہر روز میری قیام گاہ سے کچھ لوگ گھر کیلئے روانہ ہوتے ہیں۔ اکثر خوش وخرم سامان درست کرتے ہیں۔ رات رات بھر خوشیاں مناتے ہیں۔ عورتیں ہر دم پکاتی ہیں۔ میں اپنی بیوگی پر قدرے شرمندہ ہوتا ہوں۔ بعض خواتین مجھ سے پوچھ بیٹھتی ہیں، "بھیا! آپ اکیلے ہیں؟" میں کہتا ہوں "ہاں یہاں تو اکیلا ہی ہوں" اپنے ملک میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے بھی بیٹے پوتے پورا بھرا کنبہ ہے۔ پانچ سو (۵۰۰) حسینی طلبہ کا دادا ہوں۔ مگر یہاں تنہائی ہے۔ اس پر ایک شعر یاد آ گیا، فارسی کا شعر ہے۔ آپ بھی فارسی سے قدرے لطف اندوز ہوئیے۔

چوں نبود روئے جاناں پر تو افگن
بصد مشعل نہ گردد خانہ روشن

اس ناپاک تصور کو اس پاک جگہ نہیں آنا چاہئے۔ مگر سلم العلوم کی عبارت ہے ''لاحجر فی التصور فیتعلق بکل شیء'' یعنی تصورات پر کسی کا کنٹرول نہیں۔ مجھ گنہگار کا تصور کتنا سیہ کار ہے۔

آیت رحمت از حرم ہست برائے حاجیاں
خسرو بت پرست را جز خط و خال کے رسد

عزیزم! کیا لکھوں؟ کس دل کس جگر سے یہاں کی زمین چھوٹے گی؟

ہر چیز لٹا کر ہم میخانہ میں آئے تھے
اب چھوڑ کے یہ در بھی جائیں تو کہاں جائیں

اس سرزمین کو لوگ دیکھنے کو ترستے ہیں۔ خواب میں مل جائے تو پھولے نہیں سماتے۔ اس کے ذرے کو آنکھ کا سرمہ بناتے ہیں۔

ع سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

لفظ نجف پر ہندوستان کا محرم یاد آیا۔ آج ۷ / تاریخ ہے۔ شیعہ بیچارے خوب روتے ہوں گے۔ وہ تو جاگتے سوتے ہمہ وقت روتے ہیں، مگر ان کا رونا کچھ کارآمد نہیں۔

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر لذت کیا اس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

اور متنبی کا وہ شعر سنے ہوں گے۔

وربّ ندی الحفن غیر کئیب

آج غم سے طبیعت نڈھال ہے۔ قلم سے کارآمد جملے نہ نکل سکے۔ رونے دھونے سے کچھ ہوتا بھی ہے؟

دیکھ لی شمع تری ہم نے بھی ثابت قدمی
سر کٹا یارہ الفت میں تو رونا کیسا

مگر سنتے ہیں کہ ؎

سوزش بہت ہو دل میں تو آنسو کو پی نہ جا
ایسی جلن میں آگ کا کرتا ہے کام آب

آپ کے حکم سے کچھ لکھ دیا۔ ورنہ کون بکواس پڑھے گا؟ ؎

بہ دلبرم کہ رساند نوازش قلمے
کجاست پیک صبا گو بیا بکن کرمے

آج کا خط اسی پر ختم کرتا ہوں۔ جن کی تحریریں کارآمد تھیں وہ تو رخصت ہو گئے۔ اہل صدق وصفا آج کہاں ملتے ہیں سب دکھلاوا اور ریاکاری ہے۔ ؎

نہ ڈھونڈو اہل دل کو اب کہ جوشِ قلزم فنا
متاعِ درد جن میں تھیں وہ کشتیاں ڈبو چکا

خیر اللہ تعالیٰ اس بناوٹی عشق نبوی کو ہی قبول کر لیوے تو زہے نصیب۔ اس کی شان کریمی سے کچھ بعید نہیں۔

ع میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

عزیزم! گھر والوں کو گھر کی یاد آتی ہوگی۔ ہم لوگ مدرسہ والے ہیں مدرسہ

یاد آتا ہے۔ گھر پر کوئی انتظار کرے تو کرے، میرا کس کو انتظار ہوگا؟ طلبہ تو چاہتے ہوں گے کہ اور ناغہ ہو۔ ہم کو کھیلنے کا موقع ملے۔ لوگ گھر پہنچے، سفر کی تکان بھول جائیں گے۔ اور اپنا تو یہ حال ہے کہ مکہ مدینہ ہو یا جونپور، سفر ہی سفر ہے۔

مسافر اپنی منزل پہ پہنچ کر چین پاتے ہیں
وہ موجیں سر پٹکتی ہیں جنھیں ساحل نہیں ملتا

والسلام۔
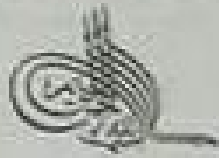
یوم عاشورہ ۱۰ محرم ۱۴۲۲ھ پنجشنبہ ۱۵ اپریل ۲۰۰۱ء

وقت السحر مدینۃ المنورہ

محبی مخلصی حضرت قاری صاحب دام مجدکم .... سلام مسنون

رات دیر سے سویا، ساتھی لوگ سامان درست کر رہے تھے۔

روشنی کی وجہ سے میں بھی اپنی پرانی روش کے مطابق

آنکھیں تجھکو ڈھونڈتی ہیں دل ترا گرویدہ ہے

جلوہ تیرا دیدہ ہے صورت تری نادیدہ ہے

اسی کے کلام کی رٹ لگا رہا ہوں۔ بارہ [۱۲] بجے آنکھ لگی، تین [۳] بجے آنکھ کھل گئی۔ جو خطرہ تھا وہی ہوا۔

ع فان ما تحذرین قد وقعا

کھڑکی کھولی، ٹھنڈی ہوائیں جو کمرہ کا طواف کرتی رہیں اندر آگئیں۔

خوشش بادا نسیم صبح گاہی

کہ دردِ شب نشیناں را دوا کرد

اپریل کی سہانی رات، دس تاریخ کا چاند ڈوب رہا تھا۔ میرا دل بھی کبھی ڈوبتا کبھی ابھرتا ہے۔ نہ معلوم دل کی دھڑکنیں کیوں تیز ہوگئیں؟ بلڈ پریشر (BloodPressure) ہائی ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ ڈاکٹر

صاحب کی نصیحت یاد آتی ہے، کہ ''تم سوچنا مت'' ورنہ...... صبح کا وقت مدینہ کی ہوا، اپریل کا موسم، ہر طرف مستی ہی مستی۔

صبا وقتِ سحر بوئے ز زلفِ یار می آرد
دلِ شوریدۂ ما را زنو درکار می آرد

جی چاہتا ہے عشق و محبت کے بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زن رہوں۔

ع علم ہے تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن

علامہ اقبال کی نصیحت بھی یہی کہتی ہے۔

ع یوں بغیر عشق کچھ ہاتھ نہیں آتا

لیلیٰ کے محمل کا غبار بھی نصیب نہیں ہوتا بغیر مجنوں بنے۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

حسب معمول تین بجے غسل کیا۔ پورے کمرے کا ماحول خاموش ہے، سناٹا ہے، سکوتِ گورِ غریباں ہے۔ یکا یک نظر لفٹ کے پاس دیوار سے لگے اعلان پر پڑی۔ دل نے کہا ''اسے نہیں پڑھنا، ورنہ اختلاج بڑھ جائے گا الانسان حریص فیما منع ''عقل نے کہا'' اسے پڑھنا''! جا کے دیکھا، پڑھا۔

صبح پھر لانے کو ہے لمبی جدائی کا پیام
یہ بھی اک آواز آئی ناگہاں کل رات کو

آج شام تک ہم لوگوں کو جدہ کے لئے روانہ ہو جانا ہے۔ ظہر بعد تیاری

مکمل کر لیں۔ عصر کی نماز پڑھ کر بس پر سوار ہونا ہے۔ کل ۶ ؍ اپریل جمعہ بارہ بجے فلائٹ ہے۔ زمزم کا انتظام تو مکہ سے کر چکا تھا۔ اصل تبرک تو یہی ہے۔ کھجوریں یہاں سے خرید لی ہے۔ کل ہی شام کو بازار گیا۔ کھجوروں کے درختوں کی قطاریں دیکھتا رہا۔ شعرا کے کلام گنگناتا رہا۔

جب سے دیکھا کھجوروں کا جھرمٹ
بچ ہے میری نظروں میں گلشن

انھیں کھجوروں میں سے وہ بابرکت کھجور بھی ہے جسے عجوہ کہتے ہیں۔ جس کے فضائل بے شمار ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا ہے۔ اس کی نسل سے جو کھجور چلی آرہی ہے، عجوہ کے نام پر، بہت گراں بکتی ہے۔ ۱۰۰ سو ریال کلو، یعنی ہندوستانی بارہ سو ۱۲۰۰ روپے کلو۔ دیکھ لیا، چکھ لیا، خریدنے کی ہمت نہیں پڑی۔ تھوڑی دیر کے لئے پھر مدینہ کی جدائی کا تصور کاٹ کھانے لگا۔ کل شام بعد مغرب مولوی میثاق صاحب مل گئے۔ موصوف اپنی ماں اور اہلیہ کے ساتھ حج میں آئے ہیں۔ بارہ بنکی کے باشندہ ہیں۔ مدرسہ شاہی میں حدیث و ادب کے کامیاب استاذ ہیں۔ بارہ بنکی دار الرشاد میں بندہ سے کچھ پڑھے ہیں۔ طبیعت میں خدمت کا جذبہ بہت ہے۔ متواضع اور منکسر المزاج ہیں۔ صلاحیت کے اعتبار سے لوگوں میں مقبول و محمود ہیں۔ انھوں نے یاد دلایا کہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد بھی تشریف فرما ہیں، اگر وقت ہو اور طبیعت حاضر ہو تو ملاقات

کر لی جائے۔ مہینوں سے بیمار چل رہے ہیں۔ حج بھی نہ کر سکے۔ میں نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ مرادآباد تو جانے سے رہا، کیوں نہ یہیں مل لوں۔ ان کے ساتھ بارہ بنکی میں کام کرنے کا وقت اور زمانہ یاد آیا۔ مانئی کہ یادیں بڑی حسین ہوتی ہیں۔ صبح بنارس تو دیکھنے کی نوبت نہیں آئی ہاں شام اودھ ضرور دیکھا ہے اور جی بھر کے دیکھا ہے، مگر آپ سے کہوں گا۔ ؎

کبھی جانا نہ مہکتے ہوئے پیڑوں کے قریب
سانپ ایسے ہی درختوں پہ رہا کرتے ہیں

خیر! مغرب بعد مولوی میثاق سلمہ کے ساتھ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مدنی کے در دولت پہ حاضری دی۔ عزیزم بابو مولوی اشہد سلمہ تشریف لائے۔ میں نے انہیں بارہ بنکی میں گود کھلایا ہے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے، لپٹ گئے۔ بھاری بھرکم، لحیم شحیم، اپنے والد محترم سے ملتے جلتے۔ موصوف نے کہا کہ کھانا کھا کر ہی جانا ہوگا۔ میں نے کہا حضرت سے ملاقات کرادو بس! کھانا اپنے اڈہ پر کھاؤنگا۔ نہ مانے۔ ضیافت و مہمان نوازی ان بزرگوں کو وراثت میں ملی ہے۔ کھانے کے بعد حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی، آنکھیں بھر آئیں۔ جسم بھاری ہے، اٹھنا مشکل ہے۔ گورا بدن، بڑی بڑی آنکھیں، رعب وجلال چہرہ

سے نمایاں، علمی متانت اور وقار پورے ماحول پہ سوار، کوئی بولتا ہے؟ وہاں سب چپ رہتے ہیں۔ میں نے خاموشی کی مہر توڑی۔

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل

یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

سن کر مسکرائے، پاکیزہ ادب سے ان کا گہرا لگاؤ تھا۔ لوگوں کو میری اس بے تکلفی پہ حیرت ہوئی۔ میں نے دعا کی درخواست کی، اور پوچھا کہ ہندوستان کب تک آنا ہے؟ میں تو کل جا رہا ہوں انشاءاللہ، سن کر خاموش رہے۔ زیرِ لب دھیمی آواز سے کہا۔ "خدا معلوم"! میں نے کہا کہ کیا یہاں مرنے کیلئے آئے ہیں؟ حج تو کیا نہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کی بلند ہمتی قابلِ رشک بلکہ لائق صد ہزار رشک تھی۔ رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔ کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ جو اپنے محبوب کے قدموں پہ جان نثار کرتے ہیں۔ ہم لوگ صرف لفاظی کرتے ہیں، شاعری بگھارتے ہیں۔ ان سے خصوصی دعا کی درخواست کر کے واپس آیا۔ راستہ میں گھڑی دیکھا تو بارہ بجنے کے قریب تھا۔

ع مدینہ کی اک رات یاد آ رہی ہے

سڑک آباد، روشنی مکمل، جگمگ جگمگ، وحشت کا کہیں نام و نشان نہیں۔ فضا کی خنکی مضراب دل کے ہر تار کو چھیڑتی رہی۔

ع یہ چاند یہ ستارے یہ رات یاد رکھنا

واپسی میں ایک نظر روضۂ اقدس پر ڈالی تھوڑی دیر کیلئے کھڑا ہو گیا۔ سوچتا رہا کہ کل پھر اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں؟ اس تصور سے لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ کمال یہ ہے کہ ان کی یاد ہی غم کا مداوا بھی ہے۔ عجیب علاج ہے۔

جاں زتن بردی ودر جانی ہنوز
درد ہا دادی ودر مانی ہنوز

تمام حکماء و اطباء اس لئے علاج سے عاجز ہیں۔ اس وصل میں فراق کی چبھن محسوس ہوتی ہے۔ دل خوش بھی ہے مگر خلش کیسی رہ رہ کے ہوتی ہے۔

وصل ہے اور دل پہ اب تک ضبط غم پوشیدہ ہے
بلبلہ ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

عزیزم! محبت کی کہانی لکھنے کہنے کی نہیں۔

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

فقط والسلام
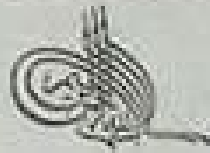
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ/۶؍اپریل ۲۰۰۱ء

﴿از جدہ ایرپورٹ یوم الجمعہ المبارکہ وقت اشراق﴾

صدیق وفا شعار، محبوب دیار غار حضرت قاری صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

اداکیونکر کرینگے چند آنسو دل کا افسانہ
بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

کل شام قبیل مغرب مدینہ منورہ سے روانگی کا سارا انتظام ہو گیا۔ مسافر سب بس میں بیٹھ گئے۔ لوگ اترتے چڑھتے رہے۔ مسافروں کی گنتی کرتے کرتے سورج غروب ہوگیا۔ ڈرائیور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یکایک اذان مغرب کی آواز مسجد نبوی سے کانوں میں آئی۔ دل نے کہا ''ایک اور نماز اسی مسجد نبوی میں ادا کرلی جائے'' مگر ڈرائیور نے کہا کہ ''مدینہ منورہ سے نکل کر آپ لوگوں کو نماز کا موقع ملے گا''۔ مگر یہ سعادت کیوں ہاتھ سے جانے دیا جائے؟ حجاج کرام نے باصرار یہیں نماز کی ٹھان لی۔ ڈرائیور ناراض ہوگیا۔ ہم لوگ بس سے اتر کر اسی بس کے سایہ میں جماعت سے نماز مغرب پڑھ لئے۔ اس طرح مدینہ پاک میں ہماری انچاس ۴۹ نمازیں ہوگئیں۔ جب کہ مسجد نبوی میں کل اڑتالیس ۴۸ نمازیں ہی پڑھی

گئیں۔ سنتوں سے فراغت کے بعد ڈرائیور کو تلاش کیا گیا، مگر وہ کہیں غائب ہوگیا۔ نصف گھنٹہ کے بعد منت سماجت کرنے کے بعد کسی طرح تیار ہوا۔ سات بجے کے قریب مدینہ منورہ سے جدائی کی گھڑی قیامت کی طرح آئی۔ بس میں بیٹھ کر بس سے باہر مدینہ منورہ کی گلیاں تکتا رہا، روضہ پاک کے مناظر، روحانی جلوے نم ناک نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

مرے غم کی قدر و قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے

یہ چراغ وہ ہے جس سے میرے گھر میں ہے اجالا

مدینہ پاک کی سڑکیں، ادھر ادھر کتنا موڑ ہے؟ بار بار روضہ اقدس نگاہوں سے اوجھل ہوا، پھر نظر آیا، پھر کسی موڑ پہ غائب ہوگیا۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی

بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

عمدہ بس ایرکنڈیشن۔ سڑکیں ہموار مثل سطح آب۔ رفتار ایک سو بیس[۱۲۰] سے کم نہیں، پھر بھی نصف گھنٹہ تک مدینہ منورہ کا چکر لگاتے ہوئے باہر نکلے۔ پیچھے مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں۔ اتفاق سے میری سیٹ سب سے پیچھے تھی۔ میں چھپ کے روتا، پھر خود کو تسلی دیتا۔

وان شفائی عبرة مهراقة

فهل عند رسم دارس من معول

میں دل کی آگ ان چند قطروں سے بجھانے کی کوشش کرتا، پھر خود ہی اس کو لاحاصل کہتا۔ اسی مناسبت سے سبعہ معلقہ کا ایک اور شعر یاد آگیا۔

كأني غداة البين يوم تحملوا

لدى سمرات الحي ناقف حنظل

اردو میں اسے یوں سمجھئے! جیسے میں پیاز چھیل رہا ہوں، بے اختیار آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ حنظل ایک انتہائی کڑوا پھل ہے، اس کے توڑنے سے آنکھوں میں کڑواپن محسوس ہوتا ہے۔ میرے بغل میں ایک ستر سالہ ضعیف بیٹھے تھے، انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ بھی رو رہے ہیں۔ اور مسافروں کا کیا حال ہوگا؟ ڈرائیور نے اندر کی لائٹ گل کردی۔ اب رویئے! دل کھول کر رویئے!

میرے لئے اب قید سحر وشام نہیں ہے

روتا ہوں کہ رونے کے سوا کام نہیں ہے

دو گھنٹے کے بعد ایک منزل پر ڈرائیور نے گاڑی کھڑی کی۔ مسکراتے ہوئے بولا "صلوٰۃ العشاء" اتر کے کیا دیکھتا ہوں کہ بہترین ہوٹل ہے، قیام گاہ ہے، مسجد ہے، خوب روشنی ہے۔ استنجاء وغیرہ کا بہت معقول انتظام ہے۔ آبادی کہیں نہیں نظر آتی۔ آخر مسافروں سے ہی ہر جگہ آباد رہتی ہے۔ اب تو سال بھر لوگ عمرہ کرنے آتے ہیں۔ مسجد، ہوٹل، سب آباد رہتے ہیں۔ حج کے ایام میں زیادہ چہل پہل رہتی ہے۔ ایک گھنٹہ بعد یہاں سے روانگی ہوئی۔ ہم لوگ جماعت سے عشاء کی نماز پڑھ لئے۔ مقامی امام کے پیچھے چار رکعت پڑھی گئی۔ بعدہ چائے وغیرہ کا دور چلا۔ کافی (Coffee)، چائے، کیک (Cake)، لمکا (Limca)، پیپسی

(Pepsi) وغیرہ کی فراوانی وبہتات ہے۔ الغرض عشاء وعشاء سے فراغت کے بعد بس میں سوار ہوئے۔ چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چاند اپنا گولا مکمل کرنے کی فکر میں تھا۔ پورب پچھم کا پتہ کیا چلتا؟ وسط آسمان میں مہتاب اپنی ٹھنڈی شعاعوں سے میرے زخمی دل پر مرہم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اس سے بار بار کہہ رہا تھا۔ ''چل اپنی راہ لے''

یہ جو زخم دل کو پکائے ہم، لئے پھر رہے ہیں چھپائے ہم
کوئی ناشناس مزاج غم، کہیں ہاتھ اس کو لگا نہ دے

بس بڑی تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ ڈرائیور نے عربی گانوں کی ایک بہترین کیسٹ لگائی، باجا بہت جان لیوا تھا، بلکہ تو بہ شکن کہیئے۔ تھوڑی دیر کیلئے میں بھی اسی میں کھویا رہا۔ دیکھا کہ ڈرائیور دونوں ہاتھ سے تالی بجا رہا ہے، ہنڈل چھوڑ کے۔ اور گاڑی ایک سو بیس ۱۲۰ میل کی رفتار سے اڑ رہی ہے۔ ہموار سڑک پہ ملنے کا نام نہیں۔ میں اس کی حرکت سے ڈر گیا، کہ جدہ پہونچنے کے بجائے کہیں اور نہ جانا پڑے۔ میں نے اسے متنبہ کیا۔ کہا "فا للہ خیر حافظاً وھو ارحم الراحمین" ۔ اس کے ایمان و یقین پہ خود کو رشک آتا ہے۔ ایک بجے جب رات ڈھلی، تمام مسافر سو رہے تھے۔ ڈرائیور نے ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ بتی جلا کر لوگوں کو دیکھا۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی۔ کانھم اعجاز نخل خاویۃ۔ گاڑی روک دی، ایک شاندار ہوٹل کے پاس پہونچ کر عربی زبان میں کہا، (وہ شاید عربی النسل نہیں تھا) ساعۃ واحدۃ النوم، بعد النوم انحب فاصل

قبل الفجر انشاء الله الی الجدہ لیو ہورٹ سی کی عربی زبان ہماری طرح ٹوٹی پھوٹی تھی۔ہم سب لوگ سمجھ گئے۔اصرار نہیں کیا گیا۔سارے مسافر اس چٹیل میدان میں اتر گئے۔دیکھا تو ایک عالیشان ہوٹل ہے۔ بمبئی کا شالیمار اس کے سامنے ہیچ۔ہر قسم کے کھانوں کا نظم ہے۔صحن میں چارپائیاں، مسہریاں، گدے لگے ہیں۔رات کے ڈیڑھ بجے عربی شیوخ گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے تمبا کونوشی میں مشغول ہیں۔میری طرف بھی ایک صاحب نے بڑھایا مگر میں ...... کیا کہوں؟ گنہگار ضرور ہوں مگر یہ راہ مدینہ پاک کی ہے۔

ع آنسوؤں کی مے بنی زخموں کا پیمانہ بنا

دو بجے شب ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آئے، اور مجھے بھی فرش خاک پر گرا دیئے۔بغیر تکیہ بچھونا سو گیا۔

یہی بیکسی تھی تمام شب ☆ اسی بیکسی میں سحر ہوئی

ڈھائی بجے بیدار ہوئے، ہاتھ منہ دھو کر چائے نوشی کے بعد بس میں سوار ہوئے۔سو کلومیٹر شاید جدہ رہ گیا تھا۔ایک گھنٹہ میں یعنی چار بجے سے پہلے پہلے پہونچ گئے۔ واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس کی حسین ساعت تھی۔جدہ ایرپورٹ کیا ہے؟ گویا پوری دنیا کے پرندوں کا بسیرا ہے۔ کوئی اپنی اڑان بھر رہا ہے، کوئی پرواز سے اتر رہا ہے، کوئی مسخر فی جو السماء ہے۔اجازت ملنے کا منتظر ہے۔جوش کی غزل یاد آ گئی۔

ع طوفان چہچہوں کا چڑیوں کا تھا بسیرا

عجیب ماحول ہے، خوشنما منظر ہے، حیرت ناک سماں ہے، ہاؤ ہو کا عالم ہے۔
ہر طرف رستاخیز معلوم ہوتا ہے۔ بھاگ دوڑ، چیخ و پکار، میں خاموش تماشائی
بے چاپ کھڑا ہوں۔ لوگ اپنا سامان تلاش کرتے ہیں۔ کوئی ساتھی
ڈھونڈتا ہے۔ کوئی شوہر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کسی کی بیوی بچھڑ گئی۔
میرے چہرے پر طمانیت اور سکون کی مسکراہٹ دیکھ کر ایک صاحب
قریب آئے۔ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

یہ غمی خوشی کا موسم یہ بہار کا زمانہ
مرے پیرہن کے ٹکڑوں کا بنا ہے شامیانہ

جدہ ایئرپورٹ کے خیمے، بلکہ خیموں کی ایک دنیا بسی ہوئی ہے۔ تمام
مسافر اسی جدہ کی گود میں سما جاتے ہیں۔ مائی حوا کے نام پر اس کا نام جدہ
پڑا۔ پوتے پوتیاں بے شمار اس کی گود میں، بغل بغل میں شور مچا رہے ہیں۔
حوا کی بیٹیاں اور زیادہ ہنگامہ کرتی ہیں۔ یہاں بھی بے حجابانہ گھومتی پھرتی
ہیں۔ اپنی نگاہیں آپ بچائیے، ورنہ انجام آپ کا خراب ہوگا۔ میں سامان
سے بے پروا سیدھے استنجا، وضو سے فراغت کے بعد چند رکعتوں کی
ادائیگی میں لگ گیا۔ کہنے کی بات نہیں، بطور شکرانہ آپ کے گوش گزار کر دیا۔
بعدہ جماعت سے فجر کی نماز ہوئی، پھر سامان تلاش کیا گیا۔ پریشانی ہوئی،
مگر نصف گھنٹہ کے بعد سامان مل گیا۔ میں اشراق تک جائے نماز پر رہا۔
ایک منزل تلاوت کے بعد وہاں سے ہٹا، سات بجے ناشتہ کر کے سو گیا۔
ابھی ٹکٹ وغیرہ کا کام سارا پڑا ہے۔ نیا ٹکٹ بنوانا ہے، پرانا ٹکٹ غائب
ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مشکل آسان فرمائے۔ (آمین)

۱۳؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ/۷؍اپریل ۲۰۰۱ء

(یوم شنبہ ایک بجے شب دلی ایرپورٹ)

عزیز گرامی قدر والا گہر حضرت قاری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

پھر وہی روز و شب پھر وہی زندگی

شرح تہذیب، قطبی وہی میبذی

عزیزم! رات کے بارہ بجے اپنے وطن یعنی دلی ایرپورٹ پر بخیریت تمام وعافیت وسلام آگیا۔ جدہ سے روانگی پانچ بجے شام کو ہوئی۔ جمعہ کا دن ٹکٹ بنوانے میں صرف ہوگیا، ورنہ ہم لوگ ایک فلائٹ پہلے یعنی چھ۶ بجے شام تک دلی اتر جاتے۔ افسوس کہ جاتے وقت بھی جمعہ کے دن گیارہ بجے دن میں جہاز اڑا جس کی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹ گئی۔ اور آتے وقت بھی ٹکٹ وغیرہ کے ضروری کاموں میں جمعہ چھوٹ گیا۔ اپنے کو یہ کہہ کے تسلی دیتا ہوں کہ مسافر کیلئے جمعہ معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائے۔ (آمین) واپسی بھی اسی جہاز سے غالباً ہوئی جس سے گئے تھے۔ ملازمین بدل گئے تھے۔ مگر حبائل الشیطان اس میں بھی تھیں۔ ان سے مفر نہیں۔

ہمارا: کر گیا اب تو جناب شیخ صاحب بھی
اسی کافر کی زلف پرشکن کی بات کرتے ہیں

بحمد اللہ ہوائی جہاز میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ہاں! جیسے جیسے رات گزرتی رہی ہندوستان قریب ہوتا گیا۔ اور "میرا بھارت مہان، سو میں اسی بے ایمان" کا قافیہ یاد آتا رہا۔ بڑے فخر سے لوگ اپنی بددیانتی کی داستان سناتے ہیں۔ چوری ڈکیتی اور پھر وہاں سے پارلیمنٹ کی ممبری تک ترقی کر جاتے ہیں۔ جو جتنا بڑا اچیارا ہے، پاپی ہے، مجرم ہے، اتنا ہی بڑا سیاسی نیتا ہے۔ دوسری لائن ناچنے گانے والوں کی ہے۔ ناچتے، گاتے، بجاتے، اپنا سب کچھ کھو کر سیاست میں آجاتے ہیں۔ اور دیس کے رکھوالے بن جاتے ہیں۔ تیسری لائن دھوکہ اور فریب کی راہ سے سرمایہ اکٹھا کر کے پونجی پتی بن جانے والوں کی ہے۔ اب اس دولت کو بچانے کیلئے حکومت کی کرسی چاہئے۔ لہٰذا الیکشن کے میدان میں، پھر پارلیمنٹ میں گھس جاتے ہیں۔ اور غریبوں کے مسیحا بن جاتے ہیں۔ چوتھی اور پانچویں لائنیں بھی ہیں۔ کیا کاغذ خراب کروں؟

آزادی کے بعد ہمارے ملک کا انتظامی ڈھانچہ بالکل برباد ہو چکا ہے۔ کوئی محکمہ بچا نہیں جہاں گھوٹالہ نہ ہو۔ کسی شریف کی جان و مال محفوظ نہیں۔ کہاں گیا گاندھی کا اہنسا؟ کہاں سو رہا ہے نہرو کا انصاف؟ کہاں گم ہے مولانا آزاد کا سنہرا ہندوستان؟ اقبال کا ترانہ

ع سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا

اب تو چھوٹے چھوٹے بچے سرکاری پرائمری اسکولوں میں اسے گاتے ہوئے کہتے ہیں کہ "کتنا غلط اور جھوٹا یہ شعر ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے آزادی کیلئے اپنا خون پسینہ ایک کیا تھا، وہ تو چل بسے۔ جو رہ گئے ہیں وہ اپنی اپنی جائداد بنا رہے ہیں۔ سات پشت تک کا انتظام کر رہے ہیں۔ غریب عوام سے ان کو کوئی ہمدردی نہیں۔ گاندھی، آزاد نے اپنی نسلوں کے لئے جائداد نہیں بنائی۔ مہاتما گاندھی کا یہ جملہ کتنا حقیقت پسندانہ ہے، کہ "جس کو حکومت کرنی ہو، ابو بکرؓ و عمرؓ کے طریقہ کو اپنائے"۔

عزیزم ارات ختم ہونے کو آئی، بات ابھی باقی رہ گئی۔ افسوس کام کی بات کچھ نہ لکھ سکا۔ ایرپورٹ سے باہر میرے گھر کے لوگ شاید انتظار کرتے ہوں۔ اسی بات پر اپنا خط ختم کرتا ہوں۔

شکوہ کبھی اپنی عادت میں نہیں داخل مگر
دل دکھا تو لب پہ حرفِ ناگوار آ ہی گیا

فقط والسلام

آپ کا قدیم یار، عبدالستار الاعظمی

چند قابل مطالعہ کتابیں

KUTUBKHANA NAIMIA DEOBAND

Ph: 01336- (O) 223294, (R) 224556, 222491, Fax : 01336-222491